جلد 12 شمارہ 7 جون 2010ء جمادی الثانی 1431ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

اللہ

محبت

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

ماہنامہ

آدمیت فلاح

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا

نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد

تقسیم کنندہ : نعمان احمد 0300-6452570

ڈیزائنگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی

ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین

پیر خان، عتیق احمد عباسی

ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی

پروفیسر غلام شبیر شاہد

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر : 0321-6400942

فیکس نمبر : +92-55-3736841

ای میل : info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— -/20 روپے

سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

درس قرآن

(ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک)

النور

اِس سورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر لفظِ نور کا ذکر کیا گیا ہے۔اِسی مناسبت سے اس سورۃ کا علامتی نام "النور" رکھا گیا ہے۔

زمانہ نزول اور تاریخی حالات

مضامین کی ترتیب کے اعتبار سے واضح ہے کہ یہ سورۃ مدنی دور میں نازل ہوئی۔ 5ہجری اس کا زمانہ نزول بیان کیا گیا ہے۔یہ سورۃ غزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی۔اِس سورۃ کی شانِ نزول کے سلسلے میں مشہور تاریخی واقعہ "افک" کا ذکر ملتا ہے۔جس کے بارے میں تفصیلات اس سورۃ کے ابتدائی حصے میں مذکور ہیں۔

اِس واقعے کی تفصیلات کیلئے چند سطور بطور پس منظر مندرج ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ غزوہ بدر کے بعد پے در پے جو واقعات پیش آئے،ان سے اہل عرب (مشرکین مکہ، یہود اور منافقین) یہ بات شدت سے محسوس کرنے لگے کہ مسلمانوں کو ہتھیاروں اور افواج کے بل بوتے پر شکست نہیں دی جا سکتی کیونکہ کفارِ مکہ ہر معرکے کیلئے پہلے معرکے سے زیادہ لاؤ لشکر اور ہتھیار جمع کر کے لاتے اور ہر مرتبہ ذلت و رسوائی ان کا منہ چڑاتی۔ مسلمان ہر معرکے میں نہ صرف یہ کہ کفار کے مقابل تعداد میں کم ہوتے بلکہ ہتھیاروں کے سلسلے میں مسلمان ہر معرکہ میں نسبتاً خالی ہاتھ نظر آتے لیکن اہل بصیرت اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کی کامیابی افراد کی قلت و کثرت یا ہتھیاروں کی مرہون نہیں بلکہ مسلمانوں کی کامیابی کی اصل وجہ ان کی اخلاقی عظمت و برتری ہے۔نبی اکرم ﷺ کی امانت وصداقت کا شہرہ تو قدیم زمانے ہی سے تھا مگر آپ کے متعلقین صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بے داغ کردار،ان کی اخلاقی پاکیزگی اور ان کی استقامت نے دلوں کو مسخر کرنے میں سونے پہ سہاگے کا کام کیا اِسی اخلاقی عظمت وطہارت نے مسلمانوں کے اندر جو کمال درجے کا اتحاد اور نظم وضبط پیدا کیا تھا،اس کے مقابلے میں اہل مکہ یا دیگر معاندین اسلام (یہود وغیرہ) ان کے پاسنگ بھی نہ تھے۔

طاغوتی طاقتوں نے جب اپنی کمزوریوں اور اپنے مقابل مسلمانوں کی عظمت کا اندازہ کرلیا تو اپنے اخلاق و کردار کر بہتر بنانے کی بجائے یہ فیصلہ کیا کہ ان قدسی نفس افراد پر گندگی اُچھالیں تا کہ لوگوں کو ان کی سیرت بے داغ اور خوش نما نظر نہ آئے۔ اس مقصد کیلئے شعوری یا لاشعوری طور پر مدینے میں بسنے والے منافقین نے بڑھ چڑھ کر اسلام اور اہل اسلام کو بدنام کیا اور اگر ہم اپنی تاریخ کا بے لاگ تجزیہ کریں تو یہ بات با سانی ہر صاحب بصیرت سمجھ لے گا کہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جس قدر سازشیں سمجھ لے گا کہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جس قدر سازشیں ہوئیں یا اہل اسلام کو مٹانے کی کوششیں کی گئیں، اِس سلسلے میں منافقین کا کردار بڑا واضح رہا۔

اِس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس تک کو نہ چھوڑا گیا۔ تعددِ ازواج اور خصوصاً سیدہ زینبؓ کے ساتھ نکاح کی وجہ سے (جس کا تفصیلی ذکر سورہ احزاب میں ہے) منافقین اور بعد کے ادوار میں نام نہاد محققین نے آپ کی ذاتِ گرامی پر ہمیشہ کیچڑ اُچھالنے کی کوشش کی۔

منافقین نے مسلمانوں کے درمیان نفاق اور نفرت کے بیج بونے کیلئے بھی سارے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ روایات میں غزوہ مریسیع کے دوران میں پیش آمدہ ایک واقعے کا تذکرہ ملتا ہے۔

''نبی اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ 'قدید' کے علاقے میں بنوخزاعہ کے لوگ مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ اس فتنے کی سرکوبی کیلئے ایک جماعت لے کر روانہ ہو گئے۔ اِس جماعت میں عبداللہ بن اُبی بھی ایک بڑی تعداد کے ساتھ شریک ہو گیا۔ حالانکہ اِس سے قبل منافقین اس قدر تعداد میں کبھی کسی غزوے کیلئے مسلمانوں کے ساتھ نہ نکلے تھے۔ ایک معمولی سی جھڑپ کے بعد پورا قبیلہ مال و اسباب سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ اِس مہم سے فراغت کے بعد ابھی مسلمان مریسیع ہی کے مقام پر پڑاؤ ڈالے بیٹھے تھے کہ ایک مسلمان مجاہد جہجاہ بن مسعودؓ (جو سیدنا عمرؓ کے ملازم تھے) اور قبیلہ خزرج کے ایک حلیف سنان کے درمیان پانی کی وجہ سے جھگڑے کی صورت میں پیدا ہو گئی تو سنان نے انصار کو پکارا جبکہ اِس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے جہجاہؓ نے مہاجرین کو دادرسی کیلئے آواز دی۔ لوگوں کے جمع ہونے کے بعد معاملہ ختم ہو گیا مگر عبداللہ بن اُبی نے اِس بات کو بڑھانا شروع کیا اور انصار کو اُکسایا کہ تم نے ان لوگوں کو پناہ دے کر اِس مقام تک پہنچا دیا ہے اور تمثیلی زبان میں یہاں تک کہہ دیا کہ ''کیا کُتے کو تم اِس لئے پالا تھا کہ وہ

تمہی کو کاٹ کھائے'' اور یہ بھی کہہ دیا کہ۔
''اب واپسی پر مدینے پہنچ کر عزت والا ذلیل لوگوں کو نکال باہر کرے گا'' اِس سارے واقعے کو اجمالاً سورہ منافقون میں بھی بیان کیا گیا ہے۔
اِس معاملے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مشورہ طلب کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ''ایسے شخص کو قتل کرا دینا چاہیے''۔
مگر نبی اکرم ﷺ نے ارشا فرمایا۔
''پھر لوگ پروپیگنڈہ کریں گے کہ محمد ﷺ تو اپنے ساتھیوں کو خود ہی قتل کرا رہا ہے'' اور فوراً ہی اِس مقام سے روانگی اور مسلسل سفر جاری رکھنے کا حکم دیا۔ راستے میں اسید بن حضیرؓ نے دورانِ گفتگو میں عرض کیا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ ''آج کوچ کا حکم او رسفر خلاف معمول ہے''۔
آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے عبداللہ بن اُبی کی باتیں نہیں سنیں؟ تو اسیدؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ شیخ رعایت کا مستحق ہے۔ کیونکہ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت اس کو بادشاہت کا تاج پہنچانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ آپ کی تشریف آوری کے باعث یہ معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا اور یہ سب کچھ وہی آتشِ انتقام ہے۔ اِسی طرح کا ایک فتنہ اِن منافقوں نے پھر پیدا کیا اور اگر مسلمان بردباری، تحمل اور حکمت کا مظاہرہ نہ کرتے تو مدینہ میں ایک خطرناک قسم کی خانہ جنگی شروع ہو جاتی اور یہ فتنہ تھا: زوجہ رسول سیدہ عائشہؓ پر تہمت کا۔
اِس واقعے کی تفصیلات تفسیر و حدیث کی کتب میں بھری پڑی ہیں۔ ہم اس وقت اس سورۃ کی شانِ نزول اور احکام کے ذیل میں ضروری مباحث کو بالاجمال بیان کریں گے۔ سیدہ عائشہؓ نے اِس واقعے کا خود یوں ذکر فرمایا۔
''نبی کریم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب آپ سفر کا ارادہ فرماتے تو قرعہ اندازی کے ذریعے سے یہ طے کیا جاتا کہ ازواج مطہرات میں سے کون آپؐ کے ساتھ اِس سفر میں شرکت کرے گی۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر مجھے سفر میں ساتھ کا موقع ملا۔ سفر سے واپسی پر مدینے سے ایک منزل پر قافلے نے پڑاؤ کیا۔ رات کے آخری حصے میں روانگی کا حکم ہوا میں اس وقت قضائے حاجت کیلئے گئی ہوئی تھی۔ واپسی پر مجھے احساس ہوا کہ میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ میں اس کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اِس دوران میں قافلہ روانہ ہو گیا اور میرا ہودہ اُونٹ پر کس دیا گیا۔ اس دوران

میں ان لوگوں کو میری غیر موجودگی کا احساس ہی نہ ہوا۔

میں جب واپس پہنچی تو قافلے کے لوگوں میں سے کوئی شخص بھی وہاں موجود نہ تھا۔ میں اپنی اوڑھنی میں لپٹ کر وہیں لیٹ گئی کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ جب قافلے کو روانگی کا حکم دیتے تو ایک آدمی اِس کام کیلئے متعین کر دیتے کہ روانگی کے بعد وہاں اگر کسی کا سامان ملے تو وہ سمیٹ کر قافلے کے ساتھ بعد میں آ کر مل جائے۔

اِس روز صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ذمے یہ کام تھا۔ جب کچھ روشنی پھیلی تو اُنہوں نے مجھے وہاں دیکھا۔ اُنہوں نے اونٹ کو روک کر **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون** پڑھا۔ اِس آواز پر چونک گئی۔ اُنہوں نے اپنا اونٹ لا کر میں قریب بٹھا دیا۔ میں سوار ہوگئی تو وہ نکیل پکڑ کر چل پڑے۔ دوپہر کے قریب ہم نے لشکر کو جالیا۔ قافلے والوں کو اب تک یہ پتا نہ تھا کہ میں پیچھے رہ گئی ہوں۔ جب ان لوگوں کو پتا چلا تو منافقوں نے بہتان تراشی شروع کر دی۔ اِس سلسلے میں عبداللہ بن اُبی پیش پیش تھا۔

مدینے پہنچ کر میں بیمار ہوگئی۔ شہر بھر میں بہتان تراشی کی آگ پھیل رہی تھی اور میں ہر بات سے بے خبر اور بے نیاز بستر سے لگی پڑی تھی۔ یہ خبر نبی اکرم ﷺ تک بھی پہنچ گئی۔ میں نے اس بیماری کے دوران میں محسوس کیا کہ آپ میری طرف پہلے کی سی توجہ نہ فرماتے تھے جو پہلے علیل ہونے کے دوران میں ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ آپ جب تشریف لاتے، سرسری حالت پوچھتے اور واپس تشریف لے جاتے۔ میں اجازت لے کر میکے چلی آئی۔

ایک رات حسب دستور میں حاجت کیلئے مدینہ سے باہر گئی۔ میرے ہمراہ مسطح بن اثاثہ کی والدہ تھیں جو میرے والد کی خالہ زاد بہن تھی۔ راستے میں ٹھوکر لگی تو ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ "مسطح غارت ہو"۔

مسطح بن اثاثہؓ بدری صحابی تھے۔ میں نے کہا کہ بیٹے کو کیوں اس طرح کوس رہی ہو؟ اس پر اُنہوں نے سارا قصہ سنایا۔ یہ سننا تھا کہ میری حالت غیر ہوگئی۔ میں اِسی حالت میں گھر آئی اور رات بھر روتے ہوئے کاٹ دی۔

نبی اکرم ﷺ نے اِس دوران میں مختلف صحابہؓ سے مشورے بھی کیئے۔ مختلف حضرات نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق رائے دی۔ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری براءت کیلئے سورہ نور

کی آیات نازل فرمائیں۔

اِن واقعات کی روشنی میں ہم جائزہ لے سکتے ہیں کہ منافقین کس طرح مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال بچھاتے تھے۔

مضامین

واقعہ اِفک کے بعد معاشرتی قوانین و اخلاق پر مبنی احکام وہدایات سورہ نور میں نازل کی گئیں تاکہ معاشرے کو برائیوں کی آماجگاہ بننے سے روکا جا سکےاور اگر بالفرض برائی کا اثرو نفوذ معاشرے میں ہو ہی جائے تو اس کے تدارک کیلئے بھرپور اقدامات کر کے اس برائی کا خاتمہ کیا جا سکے۔ آیئے اب سورہ نور کی روشنی میں مضامین کا ترتیب وار جائزہ لیا جائے۔

1۔ زنا کو فوجداری جرم قرار دے کر کنوارے مجرم کیلئے سو کوڑے سزا مقرر کر دی گئی۔

2۔ زانی مرد و زن سے توبہ تک معاشرتی مقاطعے کا حکم دیا گیا۔

3۔ اگر کوئی شخص کسی پر زنا کا الزام لگائے جسکو قانون کے مطابق ثابت نہ کر سکے تو ایسے شخص کیلئے حدِ قذف مقرر کی گئی جس کی سزا اَسی کوڑے ہے۔

اِس قانونِ قذف کی وجہ سے ان لوگوں کی حوصلہ شکنی کی گئی جو معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کو رواج دینے کیلئے افواہیں پھیلاتے ہیں اور ان کیلئے سزا بھی مقرر کی گئی۔

گویا مسلم معاشرے کے ہر فرد کو صالح اور بے گناہ قرار دیا گیا جب تک اس کے خلاف گناہ کا ثبوت نہ ملے۔ نیز معاشرتی تعلقات کی بنیاد حسن ظن پر رکھی گئی۔

4۔ اگر خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو لعان کی صورت بتائی گئی۔

5۔ سیدہ عائشہؓ پر لگائے گئے جھوٹے الزام کی تردید کی اور اس کے ساتھ معاشرے کے شرفاء پر تہمت لگانے والوں کیلئے تعزیری قانون بھی بیان کیا۔ افواہوں کے سدِ باب کی تلقین کی گئی۔ اِس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کو **اطیب** (پاکیزہ ترین) انسان قرار دے کر آپ کی رفیقہ حیات کو بھی **اطیب** قرار دیا گیا۔

6۔ دوسرے گھروں میں بے تکلف آنے جانے اور تانک جھانک سے منع کیا اور حکم دیا گیا کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہوا جائے۔

7۔ عورتوں کیلئے پردے کے احکام کے ساتھ حکم دیا گیا کہ اگر گھر سے باہر کسی ضرورت

کے تحت جانا پڑے تو بن سنور کر نہ نکلیں اور گھر میں محرم رشتہ داروں اور خادموں کے علاوہ کسی کے سامنے نہ آئیں۔ حتیٰ کہ بوڑھی اور عمر رسیدہ عورتوں کو بھی بن سنور کر نکلنے سے منع فرمایا۔ البتہ اگر گھر میں اُوڑھنی کے بغیر رہیں تو اس میں عمر رسیدہ خواتین کو اجازت دی گئی کو یہ بات پسندیدہ قرار نہیں دی گئی۔

8۔ (تجرد (بلا نکاح) کی زندگی کو ناپسند کیا گیا حتیٰ کہ لونڈی اور غلام کو بھی نکاح کرنے کا حکم دیا گیا۔ اِسی طرح فحبہ گری کی روک تھام کیلئے لونڈیوں تک سے کسب کرانے کو جرم قرار دیا گیا جو اس دور میں ایک عام رواج بن چکا تھا۔

9۔ معاشرتی بہتری اور بھلائی کیلئے لونڈی اور غلام کو آزاد کرنے کی ترغیب دلائی گئی۔

10۔ خلوت کے اوقات میں داخلے کیلئے گھریلو ملازموں اور بچوں کو بھی ضابطے کا پابند بنایا گیا کہ آرام و خلوت کے اوقات (صبح، دوپہر اور رات) کسی کے بھی کمرے میں اچانک داخل نہ ہوں۔

11۔ معذور افراد (لولے لنگڑے اور بیمار) کو رعایت دی گئی کہ وہ اگر کسی کے ہاں سے کھانے پینے کی اشیاء بلا اجازت بھی کھالیں تو اس کو چوری یا خیانت نہ شمار کیا جائے گا۔ نیز معاشرتی زندگی میں محبت اور قرب پیدا کرنے کیلئے قریبی رشتہ داروں اور بے تکلف دوستوں کو بھی اپنے اعزہ کے گھروں سے بلا اجازت کھانے پینے کی اجازت دی گئی۔

12۔ صاحب حیثیت اور صاحب فضیلت لوگوں کو ذاتی رنجش کی بنا پر احسان اور نیکی سے رُکنے پر تنبیہہ کی اور اخلاقِ عالیہ کا خوگر بننے کی تلقین کی گئی۔

اِن احکام کے تفصیلی تذکرے کے ساتھ ساتھ زمین پر اہل ایمان کے غلبے اور اقتدار کی نوید سنائی گئی اور اہل ایمان کو اس موقع پر تلقین کی گئی کہ اس نعمت کے ملنے پر اللہ اور رسول کی اطاعت کو لازم سمجھیں۔ نیز صلوٰۃ و زکوٰۃ کے نظام کو مستحکم بنیادوں پر استوار کریں تاکہ مسلم معاشرہ فلاحِ عامہ کا امین بن سکے۔

آپ اس ساری سورۃ کے تجزیئے کے ساتھ ایک بات خاص طور پر محسوس کریں گے کہ اس قدر تلخ اور فتنہ انگیز حالات میں بھی قرآنِ کریم نے حکمت و مصلحت کے ساتھ عالی ظرفی اور تدبر سے کام لینے کی تلقین کی۔ کیونکہ یہ ایک فطری امر ہے کہ جب کسی شریف آدمی کی عزت و ناموس کو یوں اچھالا جائے تو تلخی اس کے لب و لہجہ میں جھلک جاتی ہے مگر یہ کلام الٰہی ہے، اس میں ایسی کوئی تلخی نام کو بھی نہیں۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ کا آغاز اس سورۃ کے احکام کی ضرورت کے پیش نظر ہے۔جیسا کہ اس سے قبل تمہید میں بیان ہو چکا کہ اس سورۃ میں معاشرتی اصلاح کے چند احکام مذکور ہیں۔

حدود اللہ کا نفاذ اصل دین ہے

اِس سے قبل سورہ بنی اسرائیل میں بیان ہو چکا کہ معاشرتی اصلاح کے احکام کے ذیل میں زنا کی بابت فرمایا گیا تھا کہ ''زنا کے قریب مت جاؤ'' اور اب زنا کی حد کا ذکر ہے۔

اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ ۔ وَّلَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِہِمَا رَاۡفَۃٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ ۝

''زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے مقابلے میں تم کو دامن گیر نہ ہو''۔ (النور۔2)

اِس آیت میں ایک اہم بات یہ ہے کہ سو کوڑے مارنے کے کام کو قرآنِ مجید میں ''اللہ کا دین'' کہا جا رہا ہے کہ اس میں تم نرمی نہیں کرو گے اور اللہ کی حد جاری کرنے کے معاملے میں ترس نہیں کھاؤ گے۔ کیونکہ یہ حد جاری کرنا اللہ کا دین ہے۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حدود اللہ کا جاری کرنا اور شریعت کو نافذ کرنا ہی اصل دین ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ دین کوئی ذاتی، انفرادی یا پرائیویٹ معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک اجتماعی عمل ہے جو ایک قانون اور عدالتی ڈھانچے کا متقاضی ہے۔ دین پر عمل اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک ایک ایسا اجتماعی نظام نہ قائم کیا جائے جس میں دین کی اجتماعی شان جلوہ گر ہو۔ اسلام کا سیاسی، معاشی، سماجی اور عدالتی نظام کوئی پرائیویٹ معاملہ نہیں بلکہ ایک عالمگیر نظام کا حصہ ہے۔

زنا شرک کے ہم پلہ ہے

زنا کی قباحت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً ۫ وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ ۝

''زانی مرد و عورت کا نکاح زانی عورت اور مرد یا مشرک مرد اور عورت کے ساتھ ہی ہونا

چاہیے''۔ (نور:3)

گویا زنا اس قدر سنگین جرم ہے جس کو شرک کے ہم پلہ قرار دیا گیا۔یعنی بالکل اسی طرح جیسے مشرک مرد صرف مشرک عورتوں سے ہی شادی کر سکتے ہیں، اسی طرح زانی مرد زانیہ عورت سے اور زانی مرد کی زانیہ عورت ہی سے شادی ہوگی۔

تہمت کی سزا

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُھَدَآءَ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَھُمْ شَھَادَةً اَبَدًا۔ وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ o اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، ان کو اسّی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔وہ خود ہی فاسق ہیں۔سوائے ان لوگوں کے جو اس حرکت کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاح کر لیں کہ اللہ ضرور ان کے حق میں **غَفُوْرٌ رَّحِیْم** ہے''۔ (نور:4-5)

یہ حکم صرف خواتین ہی کیلئے نہیں بلکہ بہتان اور تہمت کسی پر بھی لگائے جائے، مرد ہو یا عورت، تہمت لگانے والے کی سزا اسّی کوڑے ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔

ایک آوارہ نوجوان نے کسی خاتون کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ میرا اس خاتون سے ناجائز تعلق ہے۔بات اس خاتون تک پہنچی۔اس نے عدالت میں شکایت کی بلکہ کسی اور کی طرف سے امیر المومنین کو شکایت پہنچی تو اس نوجوان کو بلایا گیا اور پوچھا گیا: کیا تم نے یوں کہا ہے؟ اس نے اقرار کر لیا۔تو اس کی وجہ سے 1 سے 100 کوڑے مارے گئے کیونکہ اس نے اپنے طور پر زنا کا اعتراف کر لیا تھا۔

اس پر اُس نے کہا کہ یہ عجیب انصاف ہے۔ایک خاتون نے مجھ پر ڈورے ڈالے اور اُلٹا مجھے ہی سزا دی گئی۔یہ بات پھر امیر المومنین تک پہنچائی گئی۔آپ نے اس نوجوان کو پھر بلا بھیجا اور خاتون کو بھی بلایا اور کہا کہ یہ نوجوان تمہارے بارے میں اس قسم کی بات کہتا ہے۔کیا یہ درست

ہے؟اس نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہے اور تہمت لگاتا ہے۔

اِس خاتون کو واپس بھیج دیا گیا۔امیر المومنین نے حکم دیا کہ اِس شخص کو 80 کوڑے اور لگائے جائیں کیونکہ اس نے الزام بھی لگایا ہے جو ثابت نہیں کر سکا۔اس پر اس کو 80 کوڑے اور لگائے گئے۔

اسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص اس طرح سے کسی کے بارے میں زبان کھولے۔

لعان

اِس کے بعد لعان کا تذکرہ ہے یعنی اگر خاوند اپنی بیوی پر یا بیوی اپنے خاوند پر زنا کی تہمت لگائے اور گواہ میسر نہ ہو تو عدالت میں ان سے کیا برتاؤ ہوگا؟

ایسی صورت میں میاں بیوی دونوں سے چار مرتبہ حلف اور آخری بار لعنت اور بددعا کے الفاظ کہلوائے جاتے ہیں اور ان کو ہمیشہ کیلئے جدا کر دیا جاتا ہے۔ (جاری ہے)

درس حدیث

غصّے کی حقیقت اور اس کا علاج

(مولانا جعفر شاہ پھلواروی)

بخاری، مسلم اور موطا میں حضرت ابو ہریرہؓ سے حضور اکرم ﷺ کا ایک ارشاد یوں مروی ہے۔

لیس الشدید بالصرعۃ، انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب (ریاض السنۃ۔ص:۴۰۵)

''بہادر وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے، بہادر تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے''۔

انسان کے اندر قدرت نے بے شمار قسم کی تخریبی و تعمیری قوتیں رکھی ہیں۔ تخریبی اور تعمیری قوتوں کی تقسیم محض اعتباری ہے اور ان کا تعین صرف اِن قوتوں کی کارگاری سے ہوتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں کوئی قوت نہ تعمیری ہے نہ تخریبی۔ جس قوت کو تخریب میں لگایا جائے تخریبی ہے اور جس قوت سے تعمیر کا کام لیا جائے وہ تعمیری ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بعض قوتیں ایسی ہیں جن کا غالب اِستعمال کسی ایک پہلو میں ہوتا ہے خواہ وہ تخریب ہو یا تعمیر۔

غصہ بھی اِسی قسم کی ایک خاص جذباتی قوت ہے۔ ایک مجرد قسم کی قوت، جو خود تو نظر نہیں آ سکتی، البتہ اس کے مظاہر نظر آ جاتے ہیں۔ خون کا اندر اندر سے کھولنا، دماغی توازن کا بگڑنا، سانس کا تیز ہونا، آنکھوں کا سرخ ہونا، نتھنوں کا پھڑکنا، اعضا میں کپکپی پیدا ہونا، زبان سے نامناسب الفاظ نکلنا، آواز کا بلند ہونا، مار پیٹ پر اُتر آنا وغیرہ۔۔۔۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو غصے کے مظاہر ہیں، آثار و علامات ہیں۔ یہ چیزیں خود غصہ نہیں۔ غصہ تو صرف ایک غیر مرئی جذبہ یا رُجحان ہے جو اندر سے پیدا ہوتا ہے اور اپنے آثار و علامات کو مختلف شکلوں میں ظاہر کر دیتا ہے۔ یہ جذبہ چونکہ عموماً دماغی توازن کو کھو دیتا ہے اِس لئے یہ کہنا غلط نہیں کہ اس کا شمار ان جذباتی قوتوں میں ہے جن کا غالب استعمال غلط ہی ہوتا ہے اور اس کا زیادہ تر نتیجہ تخریب ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا

ہے۔تاہم اگر انسان چاہے تو اپنی اسی شیطانی قوت کو رحمانی قوتوں سے ہم آہنگ کر سکتا ہے اور اس سے تخریب کی بجائے تعمیر کا کام بھی لے سکتا ہے۔زیر نظر حدیث میں اسی کی راہنمائی کی گئی ہے۔اور اس کیلئے بڑا پیارا انداز اختیار کیا گیا ہے۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ شجاعت، بہادری اور زور بازو ایک ایسی اعلیٰ صفت ہے۔جس کی ہر ایک کو تمنا ہوتی ہے اور فی الحقیقت ہے بھی بڑا اونچا وصف بشرطیکہ اس کا استعمال صحیح ہو اور یہ ''تہور'' سے نہ بدل جائے۔اب دیکھیے شدت وشجاعت کو عمومی مفہوم سے الگ تو نہیں کیا جا سکتا۔لیکن حضورﷺ اِس ''شدت'' و زور بازو کا ایک نیا تصور دیتے ہیں کہ: کسی دوسرے کو زیر کر لینا بہادری اور زور آوری نہیں بلکہ اصلی بہادری اور زور وقوت یہ ہے کہ اپنے آپکو زیر کر لو۔اپنے آپ کو زیر کرنے کا موقع کب آ سکتا ہے؟ اِس وقت جب خود اپنے اندر رود تخریبی و تعمیری قوتوں کی جنگ ہو رہی ہو۔ایک طرف غصہ ہو، جذبہ انتقام ہو، نفس امارہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا تقاضا کر رہا ہو اور دوسری طرف نفس لوامہ قوتِ عفو ودرگزر اور رحمانی جذبات دل، دماغ، زبان اور اعضاء پر قابو رکھنے کا مطالبہ کر رہے ہوں۔اِس اندرونی جنگ کے وقت اگر اپنے نفس شیطانی کو زیر کر لیا جائے تو بلاشبہ اس بہادری کا درجہ کشتی میں زیر کر لینے کے مقابلے میں وہی ہو گا جو جہادِ اکبر کا جہادِ اصغر کے مقابلے میں ہے۔گویا غصے کے جذبے کو فنا کرنا نہیں ہے۔بلکہ اس سے ایک تعمیر کام لینا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ اِس شیطانی قوت کو رحمانی قوت سے ہم آہنگ کر کے اپنے نفس امارہ کے خلاف استعمال کرنا ہے۔یا یوں کہیے کہ غصے کو دوسروں کی بجائے اپنے آپ پر اُتارنا اور اس بات پر غصہ کرنا ہے کہ مجھے غصہ کیوں آیا؟ اور اِس غصے کا کیا صحیح مصرف ہو سکتا ہے۔

بڑے کافر کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

شیخ سعدی شیرازی سہروردی نے گویا حدیث ہی کے مضمون کو بڑی خوبی سے یوں ادا کیا ہے۔

نہ مرد آنست نزدیک خرد مند
کہ باپیل دماں پیکار جوید

یہ تو ایک نظریہ ہے جو زیر نظر حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔لیکن حضورﷺ نے فقط اتنا ہی نہیں کیا کہ صرف اصول دے کر چھوڑ دیا ہو۔بلکہ مختلف انداز سے اس جذبہ شیطانی کو دبانے کے طریقے بھی ارشاد فرما دیئے ہیں۔اور بعض ایسے خاص مقامات کی نشاندہی بھی فرمائی ہے جہاں جذباتِ غیظ وغضب پر قابو نہ رکھنے کا نتیجہ بہت تلخ اور دور رس ہوسکتا ہے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت ابووائل،عطیہ کا قول بیان کرتے ہیں:

قال لی النبی ﷺ ان الغضب من الشیطان و ان الشیطان خلق من نار، و انما یطفأ النار بالماء فاذا غضب احدکم فلیتوضأ (رواہ ابوداؤد)

''مجھے (عطیہ کو) حضورﷺ نے فرمایا:غصہ شیطانی فعل ہے،شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھتی ہے۔لہٰذا جسے غصہ آئے وہ وضو کرے''۔

یہ علاج بڑا سائنٹیفک بھی ہے اور نفسیاتی بھی۔غصہ فی الواقع ایک آگ ہوتا ہے جو خون میں تیزی،احتراق اور گرمی پیدا کر دیتا ہے،دل کی دھڑکن کو اور سانس کی رفتار کو تیز کر کے مزاجی توازن کو بگاڑ دیتا ہے۔اِس خرابی کو دور کرنے کیلئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ اس میں ٹھنڈک پہنچا کر اسے اعتدال پر لایا جائے۔جب وضو کیا جائے گا تو اس سے دو فائدے ہوں گے۔ایک یہ کہ نفسیاتی طور پر توجہ اور خیال کا رُخ بدل جائے گا اور دوسرے پانی کی ٹھنڈک سے مادی طور پر بھی خون کی تیزی اعتدال پر آ جائے گی۔

۲۔حضرت سلیمان بن صرد سے بخاری،مسلم اور ابوداؤد میں روایت ہے کہ دو شخصوں نے حضورﷺ کے سامنے آپس میں گالی گلوچ کیا۔ایک شخص کا چہرہ گالی دیتے وقت غصے سے لال ہو رہا تھا۔حضورﷺ نے دوسروں سے فرمایا کہ:۔

انی لا علم کلمۃ لو قالھا لذھب عنہ الذی یجد۔ لو قال اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ذھب ما یجد۔

''مجھے ایک ایسا کلمہ یاد ہے کہ اگر وہ زبان سے کہے (یعنی اس حقیقت کا بھی قائل ہو جائے)

تو اس کا غصہ جاتا رہے۔ اگر وہ **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** کہے تو اس کا غصہ دور ہو جائے''۔

یہاں یہ حکمت نبوی ﷺ قابل غور ہے کہ حضور ﷺ نے اِس غصہ کرنے والے کو نہ تو خود کچھ فرمایا نہ کسی دوسرے کو حکم دیا کہ وہ جا کر یہ بات کہہ دے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عین غصے کی حالت میں سمجھانے کا بعض اوقات اُلٹا اثر پڑتا ہے۔ سمجھانا اِس وقت مفید ہوتا ہے جب اس کے اندر خود ردِّ عمل شروع ہو جائے۔

دوسری حقیقت اِس حدیث میں یہ بھی ہے کہ غصہ فی الواقع ایک شیطانی جذبہ ہے، اِسی لئے اس کا علاج یہ بتایا گیا ہے کہ شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگی جائے۔ یہاں صرف چند لفظوں کی تکرار و اعادہ مقصود نہیں بلکہ اس حقیقت پر غور کرنے کی عادت ڈالوانا ہے کہ غصے کے وقت اکثر و بیشتر انسان اندھے ہو جاتے ہیں اور اُن کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ ہم غصہ کر رہے ہیں اور یہ ایک بری چیز ہے۔ اِس لئے سب سے پہلے یہ احساس ہونا چاہیے کہ ہمارا یہ اقدام غلط ہے۔ اِس احسان کے بعد ہی برے بھلے نتائج پر کچھ غور کیا جاسکتا ہے۔ پھر اس غور کے بعد جب اِسے یہ علم ہوگا کہ ہم اِس وقت شیطان کے پھندے میں آ گئے ہیں اور اس سے باہر نکلنا ضروری ہے تو وہ اِس سے اللہ کی پناہ مانگے گا اور یقیناً اس کے غصے میں کمی آ جائے گی۔ عموماً برائی اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک اس کی خرابی اور خراب نتائج کا احساس نہ ہو۔ اور استفادہ کرنے (اعوذ باللہ الخ پڑھنے اور اس پر غور کرنے) کے بعد یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے اور توجہ ہٹانے میں اِس سے بڑی مدد ملتی ہے۔

۳۔ احمد بن حنبل مسند میں اور طبرانی کبیر میں حضرت ابن عباس سے حضور ﷺ کا ایک ارشاد یوں نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تین بار تکرار سے یہ الفاظ فرمائے کہ:

اذا غضب احدکم فلیسکت اگر کسی کو غصہ آئے تو وہ چپ رہے۔

یہ کوئی ضروری نہیں کہ غصے کے وقت خاموش رہنے سے غصے میں بھی کمی آ جائے۔ مگر اس سے دو بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو غصے کی حالت میں جو نامناسب کلمات نکلتے ہیں ان

سے زبان آلودہ نہ ہوگی ۔دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جس پر غصہ اُتارا جارہا ہے اگر وہ کوئی جواب دے تو غصہ اور بڑھے گا اور اس سوال جواب میں بات بڑھتے بڑھتے بہت خراب نتائج پیدا کرسکتی ہے۔ اِس لئے غصے میں خاموش ہوجانے سے بہت سے فتنے دب جاتے ہیں اور اسباب غصہ پر غور و خوض کا موقع پیدا ہوکر اعتدال کا امکان زیادہ ہوجاتا ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غصے کے وقت خاموشی اختیار کرنے کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ زبان سے تو غصہ نہ کیا جائے اور دل میں رکھ کر اپنے خون کو کھولایا جاتا رہے۔ یہ خاموشی اِس لئے ہے کہ زبان کی راہ سے مزید غصے کا امکان نہ باقی رہے اور اس کے بعد دل کے غصے میں بھی رفتہ رفتہ کمی آجائے۔نعوذ باللہ اگر اس کا یہ مطلب ہوتا کہ زبان پر تو غصہ نہ ہو مگر دل میں غصہ بھرا رہے تو ایسی خاموشی سے تو وہ غصہ بہتر ہے جو دل کی بھڑاس کو زبان کے راستے سے نکال دے۔

۴۔ عطیہ کے والد سے ایک فرمانِ نبوی ﷺ مسند احمد اور کبیر طبرانی میں یوں مروی ہے کہ:

اذا استشاط السلطان تسلط الشیطان۔

''اگر کسی سلطان پر غصہ سوار ہو تو سمجھ لو کہ شیطان مسلط ہوگیا''۔

یہ حدیث بھی بڑی اہم ہے۔ جو شخص جس مرتبے کا ہوگا۔اِسی مرتبے کا اثر بھی اس کے غصے سے مرتب ہوگا۔ایک بچے کا غصہ اور ہوتا ہے۔ماں باپ کا غصہ اور ہوتا ہے، قاضی کا غصہ اور اثر رکھتا ہے، امیر مملکت کے غصے کا اثر اور ہوتا ہے۔بعض غصے بالکل ذاتی اثر رکھتے ہیں اور بعض غصے کا اثر پوری قوم پر پڑتا ہے۔ایک حاکم مملکت کے متعلق اِسی لے خاص طور پر کہا گیا ہے کہ اگر اس پر غصہ سوار ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ شیطان کی سب سے بڑی مراد بر آئی، کیونکہ اس کا اثر محدود نہیں رہے گا بلکہ پوری کی پوری ملت پر پڑے گا۔ظاہر ہے کہ غصے میں توازن دماغی عموماً صحیح نہیں رہتا، اِس لئے حاکم وقت کا ایک غلط اشارہ پوری قوم کو تباہ کرسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قاضی کو بھی اس سے خبردار کیا گیا ہے۔حضرت ابو بکرؓ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:۔

لا یحکم احد بین اثنین وھو غضبان۔ (رواہ الستہ الا مالکا)

''غصے کی حالت میں کوئی (قاضی و منصف) دو آدمیوں کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کرے''

بارِ امانت اور عہد الست

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

1۔اللہ تعالیٰ کے بارے میں

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُھُمۡ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ (البقرہ۔257)

''جولوگ ایمان لائے اللہ ان کا دوست ہے کہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے''

2۔فرشتوں کے بارے میں

ھُوَالَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخۡرِجَکُمۡ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ وَکَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَحِیۡمًاo (الاحزاب۔43)

''اللہ وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور اللہ مومنوں پر بہت مہربان ہے''

3۔قرآن کریم کے بارے میں

ھُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبۡدِہٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ وَاِنَّ اللّٰہَ بِکُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌo (الحدید۔9)

''اللہ وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کرتا ہے تا کہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور بے شک اللہ تم پر نہایت شفقت والا مہربان ہے''

4۔رسول اللہ ﷺ کے بارے میں

رَسُوۡلًا یَّتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ

مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ o (الطلاق ۔11)

''اور رسول تم پر واضح آیات پڑھتے ہیں تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے ہیں انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے''

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت پر ایمان لا کر نیکی کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں ان کے باطن کا نور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے قریب ہوتے چلے جاتے ہیں ۔قیامت کے دن ان کے نور کی یہ شان ہوگی کہ ان کے آگے اور داہنے چل رہا ہوگا ۔اور وہ اس دن بھی اللہ تعالیٰ سے اس کی مزید محبت کے طلبگار ہو کر اتمام نور کی دعائیں کرتے ہوں گے۔

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ o (التحریم ۔8)

''اس دن اللہ پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کریگا۔ان کا نور ان کے آگے اور داہنی طرف روشنی کرتا ہوا چل رہا ہوگا اور وہ التجا کر رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لئے پورا کر اور ہمیں معاف فرما دے ۔بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے''۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o (الحدید ۔12)

''اس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور داہنی طرف چل رہا ہے ۔ان سے کہا جائے گا تم کو بشارت ہو کہ تمہارے لئے باغ ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ رہو گے یہی بڑی کامیابی ہے''۔

جن لوگوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و محبت کو اپنا مقصود حیات بنا کر اتباع رسول ﷺ

کی راہ اپنالی قیامت کے دن ان کا نور پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہوگا۔ فرشتے مبارک سلامت کی صداؤں سے ان کا استقبال کریں گے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقامات یعنی جنتوں میں داخل کیا جائے گا۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو دنیا میں توڑ دیا انہیں قیامت کے دن اپنی بے نوری کا احساس ہوگا۔ باطنی نور کے ساتھ ساتھ ان کی ظاہری آنکھوں کا نور بھی چھین لیا جائے گا۔ اس وقت وہ پچھتائیں گے اور مومنین سے اقتباسِ نور کے لئے التجائیں کریں گے لیکن اس وقت ان کی منت سماجت کی شنوائی نہ ہوگی کیونکہ اللہ کے مقرب بندوں سے فیضان نظر حاصل کرنے کا کام دنیوی زندگی کے دوران کرنے کا تھا۔ قرآن کریم میں ان کی کیفیت اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِکُمْ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَکُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ٥ یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنَّکُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَکُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْکُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ٥ فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْکُمْ فِدْیَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مَاْوٰکُمُ النَّارُ هِیَ مَوْلٰکُمْ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ٥ (الحدید۔13۔15)

''اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف نظر شفقت کیجئے کہ ہم بھی آپ کے نور سے روشنی حاصل کرلیں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کو لوٹ جاؤ اور نور تلاش کرو۔ پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ جو اس کی اندرونی جانب ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو بیرونی جانب ہے اس طرف عذاب ہے۔ منافق لوگ مومنوں کو پکاریں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں تھے لیکن تم نے خود اپنے آپ کو بلا میں ڈالا اور ہمارے حق میں حوادث کے منتظر رہے اور دین کے بارے میں شک کیا اور بے ہنگم آرزوؤں نے تم کو دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچا۔ اور اللہ

کے بارے میں تمہیں دغاباز شیطان نے ورغلالیا۔ پس آج تم سے کوئی معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا۔ اور نہ کافروں سے۔ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہی سنبھالنے کو تمہارے لائق ہے اور وہ بری جگہ ہے"۔

میدان حشر میں عہد الست توڑنے کے مرتکب لوگوں کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔

''اے جرم کرنے والو آج تم الگ ہو جاؤ۔ اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی بندگی ہرگز نہ کرنا کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور صرف میری (یعنی اپنے رب کی) بندگی کرنا یہی صراط مستقیم ہے''۔ (یٰسین۔59 تا 61)

الحمدللہ! عالم ارواح میں کئے جانے والے عہدو پیان اور نور محبت سے جوبات شروع ہوئی وہ میدان حشر میں اتمام نور تک پہنچ گئی۔ اس فقیر کی نظر میں یہ طرز استدلال دین کے اسلوب دعوت میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن اس کا ذکر بہت کم کیا جاتا ہے۔ اب جو انسان اس دنیا میں حقیقت شناس بن کر اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر صراط مستقیم پر چلے اور اس کا بندہ بن کر اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے تو گویا وہ عہد الست پر پورا اترا اور یہ اس کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اسی طرح محبت کی جو امانت انسان نے قبول کی تھی اس کی بناء پر وہ مکلّف ٹھہرا کہ اس کٹھن ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھائے اور محبت کی دولت کو اپنے رب کیلئے وقف کر دے۔ نہ تو حقیقی مالک کو لوٹانے سے انکار کر کے کافر ٹھہرے اور نہ ہی کسی غیر کو اس میں حصہ دار بنا کر شرک کا ارتکاب کرے۔ یہ اس کی امانت شمار کی جائے گی۔ اس لئے صداقت اور امانت کو صرف دنیا کے معاملات تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ میثاق ارواح کے حوالے سے ان کی اہمیت کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اپنے ہر خطبے میں بالعموم یہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کے اندر امانت کا پاس نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں عہد کی پابندی نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔

حضور ﷺ کے ان فرمودات کو محبت کی امانت اور عہد الست کی صداقت پر کیوں منطبق نہ کیا جائے جب کہ ان سے وفا کرنے پر ہی کامیابی کا انحصار ہے۔

اسی طرح ایک حدیث پاک میں آپ نے منافق کی چار علامات بیان فرمائی ہیں، ان میں پہلی یہ ہے کہ امانت میں خیانت کرے اور دوسری یہ کہ جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے۔ اگر چہ ان اخلاقی اصولوں کی وسعت پوری زندگی پر حاوی ہے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے عہد اور محبت کی امانت پر منطبق کرنا بھی یقیناً درست ہے۔

واجب الاحترام بھائیو اور پیارے بیٹو! دین مبین کا بنیادی کام یہی ہے کہ وہ انسان کو مادی کثافتوں اور روحانی حجابات کے اندھیروں سے نکال کر اللہ تعالیٰ اور اس کی محبت کے نور کی طرف لے جائے۔ یا آسان الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ انسان کی میل کچیل صاف کر کے اور اسے بنا سنوار کر میدان حشر میں اس کے رب کے سامنے پیشی کیلئے تیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اوامر و نواہی کی غرض و غایت ان تمام رذائل سے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے انسان کو پاک کرنا اور پسندیدہ خصائل و صفات اس میں پیدا کرنا ہے۔ بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان **تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ** کے مطابق بندوں کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ کر مو لاصفات بنانا ہے۔ کیونکہ حقیقی محبت کا تقاضا اپنے محبوب کی صفات کو اپنے اندر سمو لینا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی ارشاد ہوا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ٥

''اللہ کے رنگ کا کیا کہنا اور اللہ کے رنگ سے اچھا کس کا رنگ ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں''۔ (البقرۃ۔138)

اب آپ اس بات پر غور فرمایئے کہ بنی نوع انسان کو ان کے رب کی بندگی کیلئے دعوت دے کر انہیں دنیا و آخرت کی فلاح کا راستہ دکھانے والے دین اسلام اور انسانوں کا تزکیہ و تصفیہ کر کے انہیں اللہ کے رنگ میں رنگ دینے کے مقدس کام میں اختلافات اور فرقوں کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے۔ اسلام تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور آخرت کی زندگی سے آگاہی عطا کر کے اسے مکمل باخبر بناتا ہے۔ اسے مقصود حیات سے روشناس کر کے صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہاں تو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے کا انتظام اور ظاہر و باطن کی طہارت کا اہتمام ہے۔ حضور رسید

البشرﷺ کی **تَوَکَّل عَلَی اللہ** اور **تَبَتَّل اِلَی اللہ** والی زندگی کی اتباع کی ترغیب ہے۔میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کیلئے اپنی اصلاح کی مسلسل فکر سر پر سوار رہے اور اہل ایمان اپنا مال وجان اللہ کی رضا کیلئے وقف کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت کی شاہراہ پر ہر لحظہ نئی آن نئی شان سے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔یہ ہے اسلام کی محبت بھری اور زندگی بخش تعلیم اور فلاح دارین کا ضامن لائحہ عمل جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کیلئے اتارا تاکہ وہ صراط مستقیم پر چل کر کامیاب ہو جائیں۔

ہمارے مرشد و محسن حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ اسی لئے قائم فرمایا تاکہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اسلام کی سچی تعلیم سے روشناس کرایا جائے۔اور روحانی فیض کے ذریعے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو بیدار کر کے کثرت ذکر سے اسے فعال بنایا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی محبت کے چراغ کو غذا فراہم کرتا، دلوں کی سیاہی دور کرتا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو مضبوط بناتا ہے۔دل کی تمام بیماریوں اور اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنے والا نسخہ کیمیا اللہ تعالیٰ کی محبت ہی ہے اور محبت ہی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا شعار ہے۔

(اقتباس از مقصودِ حیات)

فضائل ذکر

(غلام مرتضیٰ توحیدی)

لفظ ذکر کے معنی لغت میں ہیں "بیان، چرچا، یاد، یاداشت اور خدا کا نام لینا"۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتے ہیں۔ فَاذْكُرُونِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (بقرہ۔152)

ترجمہ! "تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا"۔

حضرت ثابت بنانی علیہ رحمۃ کا فرمان ہے۔ جانتا ہوں میں کہ میرا رب مجھے کب یاد کرتا ہے؟ لوگ پریشان ہوگئے اور پوچھا: آپ کس طرح یہ جان لیتے ہیں۔ فرمایا جب میں اس کو یاد کرتا ہوں، وہ مجھے یاد فرماتا ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر 198 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ فَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۝

ترجمہ! "پس جب تم عرفات سے پھرو پس اللہ کو یاد کرو۔ مشعر حرام کے نزدیک اور اس کو یاد کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی ہے"۔

سورہ بقرہ کی ہی آیت نمبر 200 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۝

ترجمہ! "پس جب تم اپنے مناسک ادا کرلو تو اللہ کو یاد کرو۔ جیسے تم اپنے بڑوں کو یاد کرتے تھے یا زیادہ تر ذکر"۔

سورہ الاحزاب کی آیت نمبر (41) میں ارشاد فرمایا۔

اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ترجمہ! "اللہ کو کثرت سے یاد کرو"۔

سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر (19) میں فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدً وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ o

ترجمہ! ''وہ لوگ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں، کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں کے بل''۔

سورہ نساء کی آیت نمبر 103 میں ارشاد فرمایا۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَعَلٰی جُنُوْبِکُمْ o

ترجمہ: ''پس جب تم نماز پڑھ لو تو اللہ کو یاد کرو، کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں کے بل''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ دن، رات، خشکی، تری، سفر و حضر، فقر و غنا، صحت و مرض اور ظاہر و باطن ہر حال میں ذکر اللہ کرتا رہے۔

سورہ نساء کی ہی آیت نمبر 142 میں منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا o ترجمہ: ''اور اللہ کو یاد نہیں کرتے، مگر تھوڑا''۔

سورۃ الاعراف کی آیت 205 میں ارشاد فرمایا۔

وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً وَّ دُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ o

ترجمہ: ''اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کر، عاجزی سے اور ڈر سے اور کم آواز سے بات میں اور صبح کو اور شام کو اور مت ہو غافلوں میں سے''۔

سورہ العنکبوت کی آیت 45 میں ارشاد فرمایا۔

وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ترجمہ:۔ اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کی دو توجیہہ ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کا تمہیں یاد رکھنا، تمہارے ذکر اللہ سے بڑھ کر ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، اس کے علاوہ سب سے افضل ہے۔

جناب نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''غافلوں کے اندر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ خشک علاقے میں سبز درخت ہو''۔ نیز آپ نے فرمایا۔ ''غافلوں کے اندر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے

والا ایسا ہے جیسا کہ بھاگنے والوں میں جہاد کرنے والا ہو"۔

آپؐ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے "میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں، جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اسکے ہونٹ میرے لئے حرکت کرتے ہیں"۔

جناب رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کونسا عمل زیادہ افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا "یہ کہ تیری موت آئے اور تیری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر ہو"۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے "صبح اور شام ایسے کرو کہ تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر ہو، پھر تم ایسی صبح و شام کرو گے کہ تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جب میرا بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے، تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے، تو میں اسے اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں، جب وہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے، تو میں ایک باغ (تقریباً ایک گز سے فاصلہ) اس کے قریب ہوتا ہوں، جب وہ چل کر میری طرف آتا ہے، تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں (یعنی تیزی سے اس کی دُعا و ذکر قبول کرتا ہوں)۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا سات (7) آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ آدمی ہے جو کہ تنہا ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے پھر اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "کیا میں تمہیں تمہارے وہ اعمال نہ بتاؤں جو تمہارے مالک اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین اور پاکیزہ ترین ہوں۔ تمہارے درجات سب سے زیادہ بلند کرنے والے ہوں اور تمہارے لئے سونا چاندی خیرات کرنے سے افضل ہیں اور اس سے بھی بہتر ہوں کہ تم دشمن کو ملو، وہ تمہاری گردنیں مارے، صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر

کرتے رہنا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ عزوجل نے فرمایا: جس کو میرا ذکر مجھ سے مانگنے سے روک دے (یعنی مانگنے کا موقع ہی نہ آئے) تو میں اسے مانگنے والوں سے بہتر دوں گا۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہمیں یہ روایت پہنچی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے! صبح کے بعد ایک گھڑی اور عصر کے بعد ایک گھڑی مجھے یاد کر، میں اس کے درمیان تیری (ضروریات) کا کفیل ہوں۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے: ذکر کی دو (2) قسمیں ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان، یہ کیا ہی خوب ہے اور کیا ہی اس کا ثواب ہے، مگر اس سے افضل یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔ اِس کام کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا (یعنی اِسے یاد رکھنا اور حرام کام نہ کرنا)۔

روایت میں ہے کہ ہر جان دنیا سے نکلتے وقت پیاسی ہوتی ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والے کے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب بھی کوئی قوم کسی جگہ بیٹھے اور اللہ عزوجل کو یاد کرتی ہو، تو فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں۔ رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کے پاس یاد کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں (یعنی فرشتوں کے سامنے یاد کرتا ہے)۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو قوم بھی جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتی ہو، اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتی ہو، تو آسمان سے ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے، اُٹھو تم بخشے ہوئے ہو، میں نے تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے۔ آسمان والے، اہل زمین کے اندر گھروں کو جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر ہوتا ہے، ستاروں کی طرح (چمکدار) دیکھتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا۔

اللہ عزوجل کے بعض فرشتے زمین میں سیر کرنے والے ہیں جو لوگوں کی اعمال لکھنے والوں کے علاوہ ہیں۔ جب وہ کسی قوم کو دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہی ہے، تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں، آؤ اپنے مطلوب کی طرف وہ آتے ہیں اور انہیں آسمان تک گھیر لیتے ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے تم نے میرے بندوں کو کیا چیز کرتے چھوڑا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں اِس حال میں چھوڑا کہ وہ تیری حمد وثناء بیان کر رہے تھے اور تیری تسبیح پڑھ رہے تھے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کیا اُنہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ کہتے ہیں: نہیں! اللہ جل جلالہ فرماتا ہے اگر وہ مجھے دیکھ لیتے، پھر کیسے ہوتے؟ فرشتے کہتے ہیں اگر آپ کو دیکھ لیتے، تو بہت ہی زیادہ تسبیح اور حمد و ثناء کرتے: پھر وہ انہیں فرماتا ہے! وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں! دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا اُنہوں نے اِسے دیکھا ہے؟ وہ کہتے ہیں! نہیں! اللہ عزوجل فرماتا ہے اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو کیسے ہوتے؟ وہ کہتے ہیں! اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس سے دور بھاگتے اور (سخت لرزتے) دور رہتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کیا چیز مانگتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں۔ وہ جنت مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا اُنہوں نے اِسے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں۔ نہیں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر انہوں نے اِسے دیکھا ہوتا تو پھر کیسے ہوتے؟ وہ کہتے ہیں اگر اسے دیکھا ہوتا تو اس کیلئے بہت حرص کرتے۔ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ فرشتے کہتے ہیں، ان میں فلاں آدمی تھا کہ اس کا ارادہ ان کی طرف آنے کا نہیں تھا بلکہ ایک ضرورت سے آیا تھا۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: یہ وہ قوم ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی نامراد نہیں رہتا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا افضل ترین کلام وہ ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے کیا وہ ہے۔ **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ** ۔ (اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص یہ پڑھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌo

(اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی سلطنت ہے اور اس کی حمد ہے اور ہر چیز پر قادر ہے)۔

یہ دُعا جو شخص ہر روز ایک سو بار پڑھے تو اس کیلئے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا، اس کی ایک سو نیکی لکھی جاتی ہے اور اس کا سو گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور اس دِن اسے شیطان سے حفاظت رہتی ہے۔ یہاں تک کہ شام ہو جائے اور اس سے افضل کوئی عمل نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ جو یہی اس سے زیادہ کرے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو بندہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے، پھر آسمان کی طرف سر اُٹھا کر یہ کہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں)

تو اِس کیلئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے اندر داخل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا ذکر کرنے کی توفیق دے۔

قرآن حکیم کا معجزانہ حسابی نظام

انجینئر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

کائنات اور حساب

علوم کی ترقی کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب کے کئی نئے نئے رنگ سامنے آرہے ہیں، جن میں سے ہر ایک منفرد معجزہ ہے لیکن بیسویں صدی کے آخر میں قرآن حکیم کا جو حسابی نظام سامنے آیا ہے اس کے سامنے انسانی عقل بالکل عاجز ہو کر رہ گئی ہے۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نظام بھی حساب سے خالی نہیں لیکن یہ پہلی دفعہ پتہ چلا ہے کہ اسکی کتاب کا نظام بھی ایک ایسے حساب پر قائم کیا گیا ہے، جس کے سامنے بڑے سے بڑے حساب دان عاجز ہیں۔

پیشتر اس کے کہ ہم اِس معجزانہ حسابی نظام کی طرف آئیں ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر ایک چیز کا کوئی ڈیزائن ہوتا ہے اور اس کے تمام نظام کا دارومدار اسی ڈیزائن پر ہی چل رہا ہوتا ہے۔ ہر ڈیزائن کی اساس اس کا حساب ہے۔ کائنات کے ڈیزائن میں بھی اس کا حساب چھپا ہوا ہے جسے پڑھنے کیلئے ہزاروں لاکھوں سائنسدان فلاسفر اور عقلمند لوگ لگے ہوئے ہیں۔ ان سائنسی تحقیقات نے ثابت کیا کہ کائنات کے ڈیزائن کی بنیاد کچھ عجیب وغریب اعداد پر رکھی گئی ہے۔ انہیں سائنس کی زبان میں قدرتی اکائیاں (Constants of Natur) کہا جاتا ہے، جن میں سرمو تفاوت کی گنجائش نہیں۔ مثلاً کائنات 92 عناصر پر مشتمل ہے، جن میں سے ہر ایک میں اپنی اپنی خصوصیات ہیں، ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ایٹمی وزن اور نمبر ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہر عنصر کے ایٹمی گرام میں ایٹموں کی تعداد ہمیشہ ہی 6.214x10-23 ہوگی۔ اِسی طرح کی ایک مثال کائنات کی کشش ثقل کی اکائی ہے۔ یہ اس کے کونے کونے میں ایک ہی ہے اور اگر بفرض محال کچھ ادنیٰ سا بھی فرق ہوتا تو کائنات میں ستاروں اور زمینوں کا وجود ناممکن ہو جاتا۔ اگر یہ تھوڑی سی بھی کم ہوتی، تو کائنات گیس کے گولے کی طرح پھیل کر ختم ہو جاتی اور اگر تھوڑی سی زیادہ ہوتی تو پھر یہ اپنے ابتدائی دور ہی میں ایک انتہائی ٹھوس گولہ بن کر اپنے اوپر ہی بھنچ بھنچ کر ختم ہو گئی ہوتی۔

ایک اور عام فہم مثال الیکٹران اور پروٹون پر برقی چڑھاؤ(Electric Charge) کی ہے۔ ان دونوں کے برابر ہونے کی وجہ سے مجموعی حیثیت سے ایٹم کا برقی چڑھاؤ صفر ہے۔ اگر بفرض محال ان میں نہایت معمولی سا بھی فرق ہوتا تو باہمی تناؤ(Repulsion) کی وجہ سے مادی اجسام نہ بن سکتے۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں۔ اس طرح جس چیز کا بھی تجزیہ کیا جائے سائنس یہی دیکھ رہی ہے کہ خالق کائنات کے قانون میں کسی جگہ پر تبدیلی نہیں (**لا تبدیلا لکلمة اللّٰه**)۔ اس نے جو کچھ بھی بنا دیا ہے وہی حرف آخر ہے۔ کائنات کی اکائیاں آپس میں ایک انتہائی حساس نظام سے مربوط ہیں جن میں کسی ایک کو بھی اپنی جگہ سے ہلایا نہیں جا سکتا ہے۔ مثلاً روشنی کی رفتار خلاء میں ہر طرف 8 3x10 میٹر فی سیکنڈ ہی رہے گی۔ نظام شمسی میں سیاروں کے آپس کے فاصلے مقرر ہیں اگر ان میں کوئی تبدیلی آئے تو قیامت آ جائے۔ پانی سطح سمندر پر ہمیشہ 100C پر ہی اُبلے گا اور صفر درجہ پر جم جائے گا، ہر عنصر کا ایٹم منفرد ہے اور اس کے اندر بنیادی ذرات کی قیمت بھی مقرر ہے، جس میں ذرہ بھر تبدیلی اس کی تمام تر خصوصیات کو بدل کر رکھ دے گی۔ زمین اپنے محور پر ساڑھے سڑسٹھ (67.5) ڈگری پر جھکی ہوئی ہے اور سورج کے گرد 365 دن 6 گھنٹے اور 44 سیکنڈ میں ایک چکر لگاتی ہے یوں ہر چیز کا حساب **مقرر** شدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حساب سے خالی نہیں، سبحان اللہ! وہ خود بھی اپنے آپ کو نہایت تیز حساب دان (سریع الحساب) کا نام دیتا ہے۔ سائنس کا کام اِس حساب کو دریافت کرنا ہے۔ جنہیں ہم سائنسی قوانین کہتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر شدہ حساب ہیں جن پر کائنات قائم ہے۔

ان اللّٰه سریع الحساب o

''بے شک اللہ تعالیٰ نہایت تیز حساب کرنے والا ہے''

والشمس والقمر بحسبن o

''اور سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ کام کر رہے ہیں''۔ (سورۃ الرحمٰن، آیت ۵)

اِس تناظر میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن حکیم جو اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام ہے وہ حساب سے کیسے

خالی ہوسکتا ہے؟اِس کی بنیاد میں بھی ضرور کوئی بڑا حساب کارفرما ہونا چاہیے۔اِس حقیقت سے قرآن حکیم کے اولین مفسرین مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ بخوبی آگاہ تھے اور اعداد قرآن پاک کو بڑی اہمیت دیتے تھے لیکن وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ ان کے دور کے علوم کلام اللہ کی تفسیر کیلئے ناکافی تھے۔چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ ''زمانہ قرآن پاک کی تفسیر ہوگا''۔یعنی زمانہ کے ساتھ ساتھ اللہ کی کتاب کی تفسیر کا علم بھی ترقی کرتا جائے گا اور واقعی وقت نے یہی ثابت کیا ہے۔اِسی سلسلہ میں بیسویں عیسوی صدی کے آخر میں قرآن کریم کا جو حسابی نظام دریافت ہوا ہے وہ بھی کائنات کے حسابی نظام سے کم معجزانہ نہیں۔ایسا ہونا قدرتی بات ہے اس لئے کہ جو خالق کائنات کا موجد ہے کلام اللہ بھی اسی کا امر ہے۔آیئے اب اس عجیب وغریب حسابی نظام کی کچھ جھلکیاں دیکھیں۔

قرآن حکیم کی حسابی ترتیب

یہ کہ قرآن حکیم کا نظام کسی حساب پر مبنی ہے،اس کی پہلی جھلک تو اس کی ترتیب ہی سے عیاں ہے۔یہ چھوٹی بڑی ۱۱۴ سورتوں کا مجموعہ ہے جو تقریباً تمیں برابر کے پاروں میں ترتیب دی گئی ہیں۔آپ پچھلے ابواب میں سورتوں اور پاروں کی ترتیب کے گراف سے دیکھ چکے ہیں کہ یہ ترتیب بھی یونہی نہیں بلکہ ایک نہایت حیران کن حسابی نظام کے تحت رکھی گئی ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

سورتوں اور پاروں کے درمیان گراف کس حسابی مساوات کے مطابق ہے، یہ کام تو ابھی زیر غور ہے اور امید ہے کہ اس کی دریافت مزید اہم حقائق کی دریافت کا باعث ہوگی ،لیکن گراف کی شکل یعنی اس کا شروع میں آہستہ آہستہ اُٹھنا اور آخر میں اچانک عمودی جست لگانا ظاہر کرتا ہے کہ یہ دیگر قدرتی نظاموں کی ترقی کے انداز کا عمومی عکس ہے۔مثلاً ایٹمی ری ایکٹروں میں عمل یا کرہ ارض پر انسانی آبادی میں اضافے کا انداز بھی کچھ ایسا ہی ہے۔اس کے علاوہ ہم نے پچھلے سات ہزار سالوں کے اہم تاریخی واقعات کا تجزیہ کیا تو کیا معلوم ہوا کہ وقت کے ساتھ ساتھ واقعات میں تیزی کا گراف بھی تقریباً قرآن الحکیم کی سورتوں اور سپاروں کے گراف سے نسبت

رکھتا ہے۔قرآن پاک کی سورۃ نصر کی سائنسی انداز میں تفسیر کی تحقیق کے دوران دیکھا گیا ہے کہ حضور پاک ﷺ کی اسلام کی ۲۳ سالہ جدوجہد کے نتیجہ میں مسلمانوں کی تعداد اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کا گراف بھی قرآن پاک کی سورتوں اور سپاروں کے گراف کے مشابہ ہے۔یوں قرآن حکیم کا ترتیبی اعجاز کئی ایک لحاظ سے قاری کیلئے سوچ کے زاویے کھولتا ہے۔ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے بڑے بڑے واقعات اسی حساب کے مطابق طے پا رہے ہیں۔

کمپیوٹر کی نئی دریافتیں اور کچھ غلط فہمیاں

1970ء کے بعد کمپیوٹر کے ذریعہ قرآن کریم کی تشکیل اور ترتیب کا جو معجزہ سامنے آیا ہے اس نے عقل کو دنگ کر دیا ہے۔اس کام کا آغاز کیمسٹری کے ایک مصری ڈاکٹر راشد خلیفہ کی تحقیقات سے ہوا جو 1960ء کے اوائل میں امریکہ میں آباد ہو گئے تھے اس وقت سے بہت سے مسلمان سائنسدان حساب دانوں، سائنسدانوں اور علماء نے اِس مضمون پر تحقیقات کی ہیں اور ان کی ان کوششوں کی وجہ سے بفضل حق تعالیٰ قرآن مجید کے متعلق نئے نئے حسابی معجزات سامنے آ رہے ہیں۔انہی علماء میں ایک معروف نام ڈاکٹر اے رشید سیال ڈی۔ایس۔سی (Dr.A Rashid Seyal D.S.C) کا ہے۔اُنہوں نے قرآن حکیم کا انگریزی میں منظوم نما ترجمہ بھی کیا ہے جو 2006 میں چھپ چکا ہے۔(Ref:www.authorhouse.com) میں نے خود بھی بساط بھر قرآن کریم کے 19 کی بنیادوں پر حسابی نظام کی جانچ پڑتال کی ہے اور کوئی غلطی نہیں پکڑ سکا ہوں۔بعض علماء سمجھتے ہیں کہ شاید 19 کو قرآن کریم کی ریاضیاتی بنیاد بنانے کے پیچھے بہائی مذہب کے لوگوں کا ہاتھ ہو اِس لئے وہ اس حسابی کلیہ کی تکفیر کرتے ہیں دراصل یہ ان کی سادہ سوچ ہے بھلا بہائی مذہب والے قرآن کریم کی معجزانہ شان کو بڑھانے کیلئے کیوں کوشش کریں گے؟ بہر حال اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنا کام لے لے۔

بر سر مطلب آمدم، ڈاکٹر راشد خلیفہ نے 1968ء میں تمام کے تمام قرآن حکیم کے حروف اور الفاظ و آیات بالترتیب کمپیوٹر پر چڑھا دیے اور اپنے شوق کیلئے ان میں کوئی تعلق تلاش کرنا شروع کیا۔رفتہ رفتہ اس تحقیق میں اور بھی لوگ شامل ہوتے گئے۔1976ء تک یہ ایک باقاعدہ

سکول بن چکا تھا۔اس دوران محققین نے یہ حیرت انگیز دریافت کی کہ قرآن مجید کے حروف، الفاظ، آیات اور سورتوں کی ترتیب ایک خاص معجزانہ حساب کے مطابق ہے جس میں بنیادی حیثیت 19 کے ہندسہ کو حاصل ہے۔

راشد خلیفہ اور ان کے ساتھیوں نے اس موضوع پر کئی ایک کتابیں اور پرچے (Paper) لکھے اور مزید تحقیق کیلئے باقاعدہ ایک اکیڈمی بنا دی۔لیکن اِس شخص کے ساتھ سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہوئی کہ اپنی اس عظیم دریافت کے بعد وہ بہک گیا اور شیطان نے اس کے علمی غرور سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس کے ذہن میں آخری نبی ہونے کا فتور ڈال دیا اور بالآخر وہ اسی گمراہی میں 1990ء میں مرگیا۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے اور خاتم النبین حضورﷺ کی غلامی میں موت دے۔بیشک اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا،"**یضل به کثیراً و یهدی به کثیراً**"۔ قرآن پاک ایک اکثریت کو گمراہ کرتا ہے اور ایک دوسری اکثریت کو ہدایت بخشتا ہے لیکن گمراہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کا اپنا ہی فسق ہوتا ہے۔

جیسے اوپر عرض کر چکا ہوں راشد خلیفہ کی گمراہی کی وجہ سے بعض مسلمان علماء اس کے کام کا ذکر مناسب نہیں سمجھتے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ جس سے چاہے کام لے سکتا ہے۔وہ کفار کے ہاتھوں سے بھی ایسے کام کرا سکتا ہے جو اسلام کی شان وشوکت کا باعث بنتے ہیں۔مثلاً یورپی زبانوں میں قرآن کریم کے تمام کے تمام اولین مترجم اسلام کے کٹر دشمن پادری ہی تھے۔صلح حدیبیہ میں کفار مکہ کا سفیر سہیل بن عمرو تھا اور صلح کا معاہدہ اس کی حسب مرضی لکھا گیا جسے اللہ تعالیٰ نے "فتح مبین" فرمایا۔قرآن کریم کے حسابی نظام کی دریافت کا ماجرا بھی کچھ ایسا ہی ہے۔

قرآن حکیم کا ہندسی نظام

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام میں مختلف موقعوں پر 30 ہندسوں کا ذکر کیا ہے جوکہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1,2,3,4,5,6,7,8,9,10,11,12,19,20,30,40,50,60,70,80,99, 100,200,300,1000,2000,3000,5000,50000,1000000

اِن میں ہر عدد کی اس لحاظ سے تو خاص اہمیت ہے ہی کہ وہ اللہ کا کلام ہے۔مثلاً چھ کا ہندسہ زمین وآسمان یعنی کائنات کے سلسلہ میں اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ ایام میں ان سب کو تخلیق کیا۔ سات کا ہندسہ سات آسمانوں کے حوالہ سے کلام اللہ میں کئی بار آیا ہے لیکن ہمارے پاس اس مضمون میں یہ موقع نہیں کہ اِن ہندسوں میں سے ایک ایک کی تفصیل میں جائیں اگر چہ ان میں سے ہر ایک کے مفصل فوائد ایک بہت اچھی تحقیق ہوگی اور کسی باہمت قاری کو یہ کام ضرور کرنا چاہیے۔اس وقت ہماری دلچسپی کا حامل 19 کا ہندسہ ہے جو جدید کمپیوٹرائز تحقیقات کے مطابق قرآنِ کریم کی حسابی ترتیب میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ویسے کلام اللہ میں 19 کا ہندسہ ہے۔ جوجدید کمپیوٹرائز تحقیقات کے مطابق قرآن کریم کی حساب ترتیب میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ویسے کلام اللہ میں 19 کے ہندسہ کا صرف ایک دفعہ ذکر ہوا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوزخ کے اوپر ہم نے 19 فرشتوں کی گارڈ مقرر کی ہے۔(سورۃ المدثر۔آیت ۳۰)۔یعنی 19 کے ہندسہ کا تعلق حفاظت سے ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ جدید تحقیقات ثابت کرتی ہے کہ قرآن کریم کے ترتیبی نظام میں بھی ۱۹ کا ہندسہ کو کلیدی حیثیت حاصل ہے جسکا تعلق کلام اللہ کی حفاظت سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔یہ ایک ٹیسٹ ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ قرآن پاک میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

آیئے اب اِس معجزانہ حسابی نظام کے کچھ پہلوؤں پر غور کریں۔او رسوچیں کہ ایسے پیچیدہ حسابی نظام کے مطابق قرآن کریم کو آج سے 14 صدیوں سے بھی پہلے کون تشکیل دے سکتا تھا؟ یہ ایک ایسا زندہ معجزہ ہے جسکا انکار کوئی متعصب سے متعصب دشمن قرآن بھی نہیں کرسکتا۔البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ 19 کے ہندسہ کو کوئی تقدس حاصل ہے یہ صرف ایک حسابی بات ہے اور اسکی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا مفرد ہندسہ ہے جو اعداد میں سے پہلے اور آخری عدد سے بنا ہے جن کی جمع 10 اور 10 کی جمع 1 ہے یعنی ہر صورت میں واحد نام اللہ تعالیٰ کا باقی ہے۔

قرآن حکیم اور انیس کے ہندسہ کا کلیہ

19 کے ہندسہ کا حسابی کلیہ، اللہ کی کتاب کی پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے

اندر پنہاں ہے۔یہ آیت مبارکہ مندرجہ ذیل حروف پر مشتمل ہے۔

ب	س	م	ا	ل	ل	ہ
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
ا	ل	ر	ح	م	ن	
۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	
ا	ل	ر	ح	ی	م	
۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	

اِن حروف کی تعداد 19 ہے۔یہ آیت مبارکہ چار الفاظ اللہ، اسم، رحمٰن، رحیم پر مشتمل ہے۔ معلوم ہوا کہ ان میں کوئی لفظ جس تعداد میں بھی سارے قرآن کریم میں آیا ہے وہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے۔یہاں سے اندازہ لگایا گیا کہ 19 کا ہندسہ قرآن کریم کی ساخت میں کوئی کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔مثلاً لفظ اسم سارے قرآن میں ۱۹ مرتبہ آتا ہے جو کہ ۱۹ کا حاصل ضرب ہے۔یعنی 2699=19x142+1 یہاں ایک کا بچنا ناگزیر ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کسی ہندسہ کی پابند نہیں ہوسکتی۔اگلا لفظ الرحمٰن سارے قرآن میں 57 مرتبہ آیا ہے جو کہ 19 کا 3 سے صاف حاصل ضرب ہے۔لفظ الرحیم 114 مرتبہ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے جو کہ الرحمٰن کی تعداد 57 کا ڈبل ہے اور 6 سے 19 کا مکمل حاصل ضرب ہے یعنی 6x19=114۔

حیران کن معجزے

یہ کہ بسم اللہ میں آنے والے تمام الفاظ جتنی مرتبہ سارے قرآن میں آئے ہیں۔ اِن میں سے ہر ایک 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہو یہ ایک نہایت ہی غیر معمولی بات ہے۔ایسا تبھی ممکن ہوتا اگر اس کتاب کے لکھنے والے نے اس حساب کے مطابق اپنی کتاب کو جان بوجھ کر ترتیب دیا ہوتا۔لیکن وہ ایسے کیوں کرتا؟ اس لئے ابھی تک کوئی متعصب نقاد یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب ایک اتفاق ہے۔لیکن معاملہ اس سے بہت زیادہ حیران کن ہی نہیں بلکہ دماغ کو ماؤف کر دینے والا ہے۔معلوم ہوا کہ بسم اللہ والی بات تو برفانی تودے (Ice Berg) کے بیرونی نظر

آنے والے معمولی حصے کی مانند ہے۔نظر سے اوجھل حقائق اِس سے بھی بہت زیادہ حیران کن ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے مصنف نے لازمی اپنی کتاب کی بنیاد اور ترتیب 19 کے ہندسہ پر جان بوجھ کر رکھی۔ان میں سے مندرجہ ذیل وہ عجیب وغریب حقائق ہیں جن کو کوئی بھی قاری آسانی سے خود بھی دیکھ سکتا ہے۔

1۔ قرآن حکیم کی سورتوں کی تعداد 114 ہے جو 19 کا حاصل ضرب ہے۔ 14=19x6۔اس کے علاوہ 114 کے ہندسوں کی کل حاصل جمع 4+1+1=6 ہے۔(یاد رہے کہ قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے 6۔ایام میں کائنات کی تخلیق اور تکمیل کی ہے یعنی 114 میں 6 اور 19 کا جو تعلق ہے۔وہ قرآن حکیم اور کائنات کے آپس کے تعلق کو بھی ظاہر کرتا ہے)

2۔ ماسوائے سورۃ توبہ (9) کے قرآن حکیم کی ہر سورت بسم اللہ سے شروع ہوتی ہے یوں سورتوں کے آغاز میں 113 دفعہ بسم اللہ شریف آتی ہے جو 19 کا حاصل ضرب نہیں لیکن حساب برابر کرنے کیلئے اس کی کمی کو سورۃ نمل میں پورا کر دیا گیا۔جہاں آیت مبارکہ 30 میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کے حوالہ سے پوری بسم اللہ شریف دہرائی گئی ہے۔یوں پورے قرآن پاک میں 114 بسم اللہ ہو گئیں۔جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے۔

3۔ بسم اللہ اور 19 کے تعلق سے سورۃ توبہ اور سورۃ نمل کا بھی ایک عجیب معجزہ ہے۔سورۃ توبہ کا نمبر (9) ہے جو بسم اللہ کی آیت سے شروع نہیں ہوتی اور سورت نمل کا نمبر ترتیبی (27) ہے جس میں بسم اللہ دو دفعہ آتی ہے ان دونوں کے درمیان آنیوالی سورتوں کے نمبر ترتیبی کی حاصل جمع 342 بنتی ہے جو پھر سے 19 ہی کا حاصل ضرب ہے خود جمع کر کے دیکھ لیں۔

(9+10+11+12+13+14+15+16+17+18+19+20+21+22+23+24+25+26+27)= 342 342=19x6x3

مزید برآں 342=3x114 یعنی قرآن پاک کی کل سورتوں کا بھی حاصل ضرب ہے۔

4۔ شاید کوئی کوڑھ مغز متعصب ابھی تک یہی کہے کہ یہ سب اتفاقات ہیں لیکن وہ اس کے متعلق کیا کہے گا کہ سورۃ نمل کی پہلی بسم اللہ اور دوسری بسم اللہ کے درمیان الفاظ کا مجموعہ بھی 342 ہی ہے جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے۔سوچیے کہ ایسا کرنے کیلئے قرآن کریم کے مصنف کو کیسے

لفظ لفظ اور آیت در آیت حساب کرنا پڑا ہوگا؟ کیا اس وقت کسی آدمی کیلئے ایسا کرنا ممکن ہوتا؟ لیکن یہ تو کچھ بھی نہیں آگے بڑھ کر دیکھیے، قرآن کریم میں تو یکے بعد دیگرے ایک سے بڑھ کر معجز نظر آتا ہے۔

5۔ پہلی وحی کا اعجاز

دراصل قرآن حکیم میں 19 کا کلیدی حساب کلام اللہ کی پہلی وحی ہی میں شروع ہوگیا یہ وحی ''**اقرا باسم ربك الذی۔۔۔**'' سورت 96 کی آیات ایک تا پانچ تھی۔ اگر آپ ان پانچ آیات کے الفاظ کو گنیں تو یہ ٹھیک ۱۹ الفاظ ہیں۔ یہی نہیں، آگے دیکھئے۔ ان ۱۹ الفاظ کے حروف کی تعداد 76 ہے جو کہ ۱۹ کا ہی حاصل ضرب ہے۔ 76=19x4

6۔ یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ سورۃ العلق جو ترتیب میں 96 ہے (جسکی پہلی 5 آیات پہلی وحی ہیں) کی کل آیات بھی 19 ہیں۔ اور دیکھئے۔ آخر قرآن پاک سے یہ سورۃ 19 ویں ہے اور اس سے پہلے شروع قرآن سے 95 سورتیں ہیں جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہیں یعنی 19x5=95۔ یعنی قرآن کریم کے مصنف نے پہلی وحی جس کے 19 الفاظ تھے کو 19 آیات والی سورت میں لکھا اور پہلی وحی کے حروف 76 محدود کر دیئے تا کہ 19 کا فارمولا قائم رہے۔ اور پھر اس سورت کو قرآن کی کل ترتیب میں 96 نمبر پر رکھا تا کہ اس سے پہلے 19x5=95 سورتیں اور بعد میں 19x1=19 سورتیں ہوں۔ کیا کمال ہے! کیا کوئی شخص اپنی کتاب میں ایسا کر سکے گا؟

لیکن قرآن کریم کا خالق یہی نہیں کرتا، بلکہ آگے دیکھئے۔ سورۃ 96 کے کل حروف 304 مقرر کرتا ہے تا کہ وہ بھی 19 کا حاصل ضرب ہو۔ 19x4x4=304۔ یہاں چار کے ہندسہ کی تکرار قابل غور ہے خاص طور پر یہ کہ اللہ، محمد، قرآن کے ناموں میں ہر ایک چار چار حروف پر مشتمل ہے۔

7۔ آخری سورت کا اعجاز

غرض قرآن حکیم کی پہلی وحی والی سورۃ 19 کے کلیدی ہندسہ کا زندہ معجزہ ہے

اور یہ حسابی کلیہ قرآن پاک کے نزول کے پہلے دن ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ پھر اسی حسابی کلیہ کے مطابق پورے 23 سال قرآن کریم اپنے حروف، الفاظ اور سورتوں کے ساتھ اُترتا رہا۔ نبی کریم ﷺ وحی کی ہدایت کے مطابق کاتبانِ وحی سے فرما دیتے کہ فلاں آیت فلاں سورۃ کی فلاں آیت کے بعد لکھ لیں۔ کوئی کمپیوٹر نہیں، کوئی حساب دان نہیں لیکن پھر بھی قرآن حکیم اس انتہائی پیچیدہ حساب کے مطابق ترتیب پاتا گیا حتیٰ کہ آخری سورۃ نصر نمبر 110 کا نزول ہوا۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ سورت بھی ٹھیک 19 الفاظ پر مشتمل ہے اور اس کی پہلی آیت جس میں اللہ کی نصرت اور اسلام کی فتح کی بشارت ہے۔ "**اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح** (ا،ذ،ا،ج،ا،ء،ن، ص،ر،ا، ل،ل،ہ،و،ا،ل،ف،ت،ح)" بھی ٹھیک 19 حروف کا مجموعہ ہے۔ یوں کلام اللہ کی پہلی اور آخری سورت ایک ہی حسابی قاعدہ کے لحاظ سے مرتب ہوئی (سبحان اللہ)۔

بعض صفاتی نام

یہ بات بھی قارئین کیلئے دلچسپی سے خالی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعض صفاتی نام بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے الفاظ کی تعداد کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر اسم 19 مرتبہ آیا ہے تو اللہ کا صفاتی نام واحد بھی 19 ہی دفعہ آیا ہے، جہاں قرآن کریم میں اللہ کے ذاتی نام "اللہ" 2699 مرتبہ ذکر ہوا ہے وہاں "ذوالفضل العظیم" کا صفاتی نام بھی ایک کم 2699 مرتبہ ہی آیا ہے۔ "الرحمٰن" 57 مرتبہ ہے تو "مجید" بھی 57 مرتبہ ہی آتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام "جامع" "الرحیم" کے برابر 114 مرتبہ لایا گیا ہے۔

بار بار 19 کے ہندسہ کی اِس تکرار کے بعد متعصب سے متعصب نقاد کیلئے بھی یہ کہنا کہ یہ سب اتفاقات ہیں، مشکل ہوگا، لیکن یہ سوال اپنی جگہ پر قائم ہے کہ یہ حساب کون لگاتا تھا؟ کیا اپنی مدد کیلئے رسول اکرم ﷺ نے کچھ آدمی مقرر کیے ہوئے تھے جو حروف اور الفاظ کو گنتے رہتے اور پھر ایسا انتخاب کرتے کہ 19 کا فارمولا قائم رہے؟ لیکن کیا ایسا واقعی تھا؟ کیا اس وقت یہ کسی انسان کے بس کی بات تھی؟ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ایسا کیا جا سکتا تھا تو اس کے پیچھے کرنے والے کا کیا مقصد ہوگا؟ (جاری ہے)

حضرت انسؓ بن مالک انصاری خادم رسول اللہ ﷺ

(طالب الہاشمی)

رحمتِ عالم ﷺ نے مکہ سے ہجرت کے بعد یثرب میں نزول اجلال فرمایا تو کھجور کے باغات سے گھرے ہوئے اِس قدیم شہر پر بہار تازہ آ گئی۔ وہ یثرب سے "مدینۃ النبی ﷺ" بن گیا۔ اِس کی گلی گلی انوارِ نبوت سے جگمگانے لگی اور اس کا گوشہ گوشہ شمیم رسالت کی عطر بیزیوں سے مہکنے لگا۔ اِسی زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دن مدینہ منورہ کی ایک باوقار خاتون بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئیں۔ ان کے ساتھ نو دس برس کا ایک خوش رُو بچہ بھی تھا جس کی پیشانی نورِ سعادت سے درخشاں تھی۔ خاتون نے بڑے ادب سے حضور ﷺ کو سلام کیا اور پھر اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر یوں عرض پیرا ہوئیں:۔

"یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ میرا لختِ جگر ہے اِس کو آپ کی نذر کرتی ہوں، اِسے اپنی غلامی میں لے لیجئے یہ آپ کی خدمت کیا کرے گا"۔

رحمتِ عالم ﷺ نے خاتون کے جذبہ اخلاص کی تحسین فرمائی، بچے کے سر پر دستِ شفقت رکھا، اس کیلئے دُعائے خیر و برکت مانگی اور پھر ان خاتون کی خواہش کے مطابق اِس بچے کو اپنے دامنِ رحمت سے وابستہ کر لیا۔

ارضِ مدینہ کے یہ خوش بخت نونہال جن کو نو دس برس کی عمر میں سرورِ کائنات، فخرِ موجودات سید المرسلین صاحبِ قابَ قوسین ﷺ کا خادم بننے کا عظیم شرف ہوا اور جو حضور ﷺ کے وصال تک دل و جان سے آپ کی خدمت کا حق ادا کرتے رہے، سیدنا حضرت انسؓ بن مالک انصاری تھے۔

حضرت انسؓ بن مالک ان صحابہ کبار میں سے ہیں جن کو اساطین اُمت تسلیم کیا جاتا ہے۔ اِن کی کنیت ابوحمزہ بھی تھی اور ابو ثمامہ بھی۔ لقب "خادمِ رسول اللہؐ" تھا۔ وہ خزرج کے معزز ترین خاندان "بنو نجار" سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

انسؓ بن مالک بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی

بن النجار۔

حضرت انسؓ کی والدہ کا نام اُم سُلیمؓ تھا۔ان کا شمار عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ ہجرت نبوی سے دو تین سال قبل جب حضرت انسؓ کی عمر تقریباً سات آٹھ برس کی تھی ،مدینہ منورہ میں اسلام کا چرچا پھیلنے لگا۔اُن کی سعید الفطرت والدہ بلا تامل سعادت اندوز اسلام ہوگئیں ۔اِن کے ساتھ ہی حضرت انسؓ کے چچا حضرت انسؓ بن نضر ،خالہ حضرت اُم حرامؓ اور ماموں حضرت حرامؓ بن ملحان بھی شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گئے ۔حضرت اُم سُلیمؓ نے اپنے کمسن فرزند انسؓ کو بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہا وہ انہیں کلمہ پڑھاتی تھیں اور شعائر اسلام سکھاتی تھیں ۔بد قسمتی سے حضرت انسؓ کے والد مالک بن نضر نہ صرف اپنے آبائی مذہب پر رہے بلکہ حضرت اُم سُلیمؓ کے قبول اسلام پر بھی سخت ناراض ہوئے اور انہیں اپنے فرزند انسؓ کو کلمہ پڑھانے سے منع کیا۔لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہیں تھا جو کسی ترغیب وتخویف سے اُتر جاتا ۔حضرت اُم سُلیمؓ نہایت ثابت قدمی سے اسلام پر قائم رہیں اور ننھے انسؓ کو بھی اِسی راستے پر چلاتی رہیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ میاں بیوی میں سخت کشیدگی پیدا ہوگئی۔ مالک بن نضر ناراض ہوکر مدینہ سے شام چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے ۔(ایک روایت کے مطابق کسی دشمن نے انہیں قتل کر ڈالا) یہ بیعت عقبہ اولی (۱۲ نبوی) سے پہلے کا واقعہ ہے۔حضرت اُم سُلیمؓ اب بیوہ تھیں اور ان کا لاڈلہ بچہ یتیم ۔کچھ مدت بعد ہر طرف سے نکاح کے پیغام آنے لگے لیکن اُنھوں نے ہر ایک کے جواب میں یہی کہا کہ جب تک انسؓ مجلسوں میں اُٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے قابل نہ ہوجائے کسی سے نکاح نہیں کر سکتی۔

حضرت انسؓ کی عمر تقریباً نو برس کی تھی کہ ان کے قبیلہ کے ایک شخص ابوطلحہؓ نے حضرت اُم سُلیم کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ابوطلحہؓ اِس وقت مشرک تھے اور لکڑی کے ایک بت کی پرستش کیا کرتے تھے ۔حضرت اُم سُلیمؓ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں خدائے واحد اور اس کے سچے رسول ﷺ پر ایمان لائی ہوں اور تم ایک خود ساختہ لکڑی کے بت کے پجاری ہو جو کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا بھلا زندگی کے سفر میں تم میرے ساتھی کیسے بن سکتے ہو؟

ابوطلحہؓ نے حضرت اُم سُلیمؓ کی باتوں پر غور کیا تو ان میں وزن محسوس ہوا۔چند دن بعد حضرت

اُم سُلیمؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا، مجھ پر حق واضح ہوگیا ہے اور میں تمہارا دین قبول کرنے کیلئے تیار ہوں۔

حضرت ابو طلحہؓ کی بات سن کر حضرت اُم سُلیمؓ کو بہت خوشی ہوئی اور اُنہوں نے بے ساختہ کہا۔

''پھر مجھے تمہارے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ میرا مہر یہی ہے کہ تم اسلام قبول کر لو۔''

حضرت ابو طلحہؓ بلا تامل سعادت اندوزِ اسلام ہوگئے اور بقول ابن سعد و حافظ ابن حجرؒ حضرت انسؓ نے اپنی والدہ کا نکاح حضرت ابو طلحہؓ سے پڑھا دیا۔ جلیل القدر صحابی حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی عورت کا مہر اُم سُلیمؓ کے مہر سے افضل نہیں سنا۔ ابو طلحہؓ سے نکاح کے بعد حضرت اُم سُلیمؓ حضرت انسؓ کو انہی کے گھر لے گئیں اور حضرت انسؓ وہیں پرورش پانے لگے۔

سرورِ عالمﷺ نے مدینہ منورہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا تو آپؐ کا پر جوش استقبال کرنے والوں میں حضرت انسؓ کے والدین بھی تھے اور حضرت انسؓ بھی دوسرے لڑکوں کے ساتھ مل کر وفورِ مسرت میں **جاء رسول الله جاء رسول الله** (رسول اللہﷺ تشریف لائے، رسول اللہﷺ تشریف لائے) کے ترانے گا رہے تھے اور سارے شہر میں اُچھلتے کودتے ہوئے گشت لگا رہے تھے۔ یہ پُرمسرت دن انہیں عمر بھر یاد رہا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس دن سے زیادہ مبارک اور پر مسرت دن کوئی نہیں دیکھا جس میں رسول اللہﷺ نے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا۔ اس دن مدینہ منورہ کے در و دیوار طلعت اقدس سے جگمگا اُٹھے۔

ہجرت نبوی کے چند دن بعد حضرت اُم سُلیمؓ نے اپنے لختِ جگر کو حضورﷺ کا خادم بنا دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اُنہوں نے حضرت انسؓ کو اپنے شوہر حضرت ابو طلحہؓ کے ہمراہ حضورﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اُنہوں نے بارگاہِ رسالتﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہﷺ آپ کے پاس کوئی خادم نہیں ہے، انسؓ ایک زیرک اور ہوشیار لڑکا ہے، اس کو آپ کی خدمت کیلئے

لایا ہوں۔حضورﷺ نے حضرت ابوطلحہؓ کے جذبہ اخلاص کو دیکھتے ہوئے حضرت انسؓ کو اپنی خدمت گاری کیلئے قبول فرمالیا۔ یہ دن۔۔۔حضرت انسؓ کی زندگی کی سب سے بڑا ''یوم سعادت'' تھا۔اِس دن ان کی زندگی کے اس دورمبارک کا آغاز ہوا جس نے انہیں باوجود نوعمر ہونے کے کبار صحابہؓ کی صف میں شامل کردیا۔وہ مسلسل دس برس تک سفر وحضر اور خلوت وجلوت میں رحمتِ دو عالم فخر موجودات سید المرسلین ﷺ کی دل وجان سے خدمت بجالاتے رہے اور اس طویل عرصہ میں حضور پُرنور ﷺ کا سحابِ لطف وکرم ان پر جھوم جھوم کر برستا رہا۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

حضرت انسؓ نے اپنے آقا و مولا ﷺ کی مرضی مبارک کے مطابق اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیا کہ فجر سے پہلے (منہ اندھیرے) بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو جاتے تھے اور دوپہر کو تھوڑی دیر کیلئے اپنے گھر واپس آتے تھے۔پچھلے پہر دوبارہ کاشانہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو جاتے اور عصر تک وہیں رہتے۔نمازِ عصر ادا کر کے گھر واپس آتے۔بعض اوقات رات گئے تک حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے۔

رحمت عالم ﷺ کے خادمِ خاص ہونے کی وجہ سے حضرت انسؓ نے حضور ﷺ کو بہت قریب سے دیکھا اور اپنی مستعدی اور فرمانبرداری سے آپؐ کو خوش رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ میں نے دس برس اپنے آقا و مولا ﷺ کی خدمت میں گزارے لیکن حضور ﷺ نہ تو کبھی مجھ پر ناراض ہوئے اور نہ کبھی مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی یہاں تک کہ کبھی یہ بھی نہ فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا ہے یا فلاں کام کیوں نہیں کیا۔

بیہقیؒ نے ''شعب الایمان'' میں ان کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ اگر کبھی میرے ہاتھ سے کوئی نقصان بھی ہوگیا تو مجھے آپؐ نے اس پر کبھی ملامت نہیں فرمائی۔اگر گھر والوں میں سے کبھی کسی نے کچھ کہا تو آپؐ نے فرمادیا، رہنے دو کچھ نہ کہو اگر مقدر میں نقصان نہ ہونا ہوتا تو نہ ہوتا۔

مُسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت انسؓ کاشانہ نبوی ﷺ کے کاموں سے فارغ

ہو کر اپنے گھر روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک جگہ لڑکے کھیل رہے تھے۔ حضرت انسؓ اِن کے پاس کھڑے ہو گئے اور تماشا دیکھنے لگے۔ اتنے میں سرورِ عالمﷺ اِدھر تشریف لائے (ایک اور روایت کے مطابق حضورؐ نے انہیں کام کیلئے بھیجا تھا لیکن وہ بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہو گئے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو حضورﷺ اِنکی تلاش میں باہر تشریف لائے۔ حضرت انسؓ گھبرا کر بھاگنے کے بجائے مودبانہ انداز میں وہیں کھڑے رہے۔ حضورﷺ نے قریب تشریف لا کر ان کا ہاتھ پکڑا اور کسی کام کیلئے جانے کا حکم دیا۔ حضرت انسؓ جب تک یہ کام کر کے واپس نہ آئے۔ حضورﷺ ایک دیوار کے سایہ تلے بیٹھ کر ان کا انتظار فرماتے رہے۔ اِس خدمت کی بجا آوری میں انہیں کافی دیر ہو گئی تھی۔ گھر پہنچے تو والدہ اُمِ سُلیمؓ نے تاخیر کا سبب پوچھا۔ اُنہوں نے کہا، رسول اللہﷺ کے ایک کام میں مصروفیت کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ حضرت اُمِ سُلیمؓ نے پوچھا، کیا کام تھا۔ حضرت انسؓ نے جواب دیا، حضورؐ نے کسی کو بتلانے سے منع فرمایا تھا۔ حضرت اُمِ سُلیمؓ نے فرمایا، بیٹے یہ بات کبھی کسی کو نہ بتانا۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے یہ بات تمام عمر اپنے نہاں خانہ دل میں محفوظ رکھی اور کبھی کسی کو نہ بتایا کہ حضورﷺ نے انہیں کس کام کیلئے بھیجا تھا۔

حضرت انسؓ کو اکثر یہ سعادت نصیب ہوتی تھی کہ نمازِ فجر سے پہلے حضورﷺ کیلئے سامانِ وضو مہیا کرتے تھے۔ اگر حضرت اُمِ سُلیمؓ کو حضورﷺ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کرنی ہوتی تو وہ بسا اوقات حضرت انسؓ ہی کے ہاتھ بھیجا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوطلحہؓ گھر آئے اور حضرت اُمِ سُلیمؓ سے کہا کہ رسول اللہﷺ فاقہ سے ہیں کچھ کھانا آپؐ کی خدمت میں بھیج دو۔ اُنہوں نے چند روٹیاں حضرت انسؓ کو دیں اور کہا اِسی وقت جا کر حضورﷺ کو کھانا کھلاؤ۔ جب حضرت انسؓ مسجدِ نبویؐ میں پہنچے تو وہاں حضورﷺ کے گرد بہت سے صحابہؓ کا مجمع تھا۔ حضورﷺ نے حضرت انسؓ سے پوچھا، ابوطلحہؓ نے تمہیں بھیجا ہے؟ اُنہوں نے عرض کی ''ہاں یا رسول اللہؐ'' پھر پوچھا ''کھانے کے لئے؟'' اُنہوں نے کہا ''جی ہاں''۔

حضورﷺ سب صحابہؓ کو لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت انسؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوطلحہؓ کو فکر ہوئی کہ اتنے آدمیوں کیلئے کھانا کافی نہ ہوگا۔ حضرت اُمِ سُلیمؓ سے کہا،

ان سب اصحاب کیلئے کھانے کا کیسے اِنتظام ہوگا۔ اُنہوں نے اطمینان سے کہا، یہ بات اللہ اور اللہ کا رسول ؐ بہتر سمجھتے ہیں۔ پھر جو تھوڑا بہت کھانا موجود ہے انہوں نے رسول اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے سامنے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی کہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔

ایک دن حضرت انسؓ معمول کے مطابق نمازِ فجر سے قبل بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے اِن سے فرمایا، آج میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں، کچھ کھلا دو۔ حضرت انسؓ فوراً اُٹھے اور کچھ کھجوریں اور پانی لے کر حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے سحری کھائی اور پھر فجر کی نماز کیلئے تیار ہوئے۔

جہاں حضرت انسؓ کو اپنے آقا ﷺ سے بے حد محبت تھی وہاں حضور ﷺ کو بھی ان سے بہت پیار تھا۔ جس زمانے میں وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے ان کی کوئی کنیت نہ تھی۔ آپ ؐ کو معلوم ہوا کہ انسؓ ''حمزہ'' نام کی ایک سبزی کو بہت پسند کرتے ہیں تو آپؐ نے ان کنیت ہی ''ابوحمزہ'' رکھ دی۔ حضور ﷺ حضرت انسؓ کو پیار سے ''بیٹا'' یا ''انیس'' کہہ کر بلایا کرتے تھے اور اکثر فرطِ محبت سے ان کے سر پر اپنا دستِ شفقت پھیرا کرتے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ان کی تعلیم وتربیت پر بھی خاص توجہ فرماتے تھے اور نہایت محبت وشفقت کے ساتھ ان کے کانوں میں نیکی کی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔ ترمذی شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، اے میرے چھوٹے بچے جہاں تک ہو سکے اپنے لیل ونہار اس طرح گزار کہ تیرے دل میں کسی کی جانب سے کھوٹ کپٹ نہ ہو، یہ بات میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو دوست رکھا اس نے مجھ کو دوست رکھا اور جس نے مجھ کو دوست رکھا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

حضور ﷺ کبھی کبھی انسؓ سے ہنسی مذاق کی باتیں بھی کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ مزاح میں ارشاد فرمایا۔ **یاذ الاذنین** یعنی اے دو کانوں والے۔

علامہ بلاذُری نے ''انساب الاشراف'' میں لکھا ہے کہ حضرت انسؓ کے والد مالک بن النضر کا شیریں پانی کا کنواں تھا۔ حضور ﷺ اس کا پانی پیا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ کو اکثر اپنے

اِس کنویں کا پانی حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوتی۔

حضرت انسؓ کے سوتیلے والد حضرت ابوطلحہؓ حضور ﷺ کے نہایت مخلص اور جاں نثار صحابی تھے۔ اِسی طرح ان کی والدہ حضرت اُم سُلیمؓ کو بھی حضور ﷺ سے کمال درجے کی عقیدت اور محبت تھی۔ وہ حضور ﷺ کی پردادی سلمٰی کے بھائی کی پوتی تھیں۔ اِسی نسبت سے وہ اور ان کی بہن حضرت اُم حرامؓ حضور ﷺ کی خالہ مشہور ہوگئی تھیں۔ اگر چہ یہ رشتہ دور کا تھا لیکن سرورِ عالم ﷺ کے نزدیک اس کی بڑی قدر و قیمت تھی اور آپ ازراہ شفقت حضرت اُم سُلیمؓ اور حضرت اُم حرامؓ دونوں کے گھروں کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا کرتے تھے۔ ہجرت کے چند ماہ بعد حضور ﷺ نے حضرت اُم سُلیمؓ ہی کے گھر میں مہاجرین اور انصار کو بلا کر ان کے درمیان عقدِ مواخاۃ قائم فرمایا تھا۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ حضور ﷺ اکثر حضرت اُم سُلیمؓ کے گھر تشریف لے جاتے، کھجوریں یا کھانا وغیرہ جو کچھ موجود ہوتا، تناول فرماتے۔ دوپہر کا وقت ہوتا تو آرام فرماتے۔ نماز کا وقت آتا تو وہیں چٹائی پر نماز ادا کر لیتے۔ حضور ﷺ سے حضرت اُم سُلیمؓ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ جب ان کے گھر میں استراحت فرماتے تو وہ آپؐ کا پسینہ مبارک اور گرے ہوئے موئے مبارک ایک شیشی میں تبرک کے طور پر جمع کر لیتی تھیں۔ مسند ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میرے سر پر زُلفیں تھیں۔ میری والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ میں ان کو (کبھی) نہ تراشوں گی (یا تراشنے دوں گی) کیونکہ رسول اللہ ﷺ (ازراہِ محبت) ان کو کھینچا کرتے اور ان پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضور ﷺ حضرت اُم سُلیمؓ کے گھر تشریف لے گئے تو اُنہوں نے درخواست کی، یا رسول اللہ ﷺ میرے بچے انسؓ کیلئے دُعا فرمائیں۔ حضور ﷺ دیر تک دُعا فرماتے رہے اور آخر میں فرمایا:۔

اللھم اکثر مالہ وولدہ وادخلہ الجنۃ ٥

(اے اللہ تو اس کے مال اور اولاد میں کثرت بخش اور اسے جنت میں داخل کر)

اِس دُعا کا یہ اثر ہوا کہ حضرت انسؓ مال و دولت میں تمام انصار سے بڑھ گئے اور اولاد کی

کثرت کی یہ کیفیت تھی کہ وفات کے وقت ان کے بیٹے بیٹیوں اور پوتے پوتیوں کی تعداد سو سے اوپر تھی۔

۲ھ ہجری میں حق و باطل کا معرکہ اول بدر کے میدان میں پیش آیا تو حضرت انسؓ کی عمر بارہ برس کی تھی اور وہ لڑائی میں شریک ہونے کے مُکلف نہیں تھے کیونکہ حضورﷺ نے لڑائی میں شریک ہونے کیلئے کم از کم پندرہ برس کی عمر مقرر فرمائی تھی۔ تاہم وہ کم عمری کے باوجود میدانِ بدر میں پہنچ گئے اور حضورﷺ کی خدمت گزاری کا فرض انجام دیا۔ بعض لوگوں کو ان کی شرکت بدر میں اِس بناء پر شک تھا کہ ان کی عمر اس وقت پندرہ برس سے کم تھی لیکن ایک مرتبہ جب خود ان سے اِس بارے میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے فرمایا، میں بدر میں کیسے غیر حاضر رہ سکتا تھا؟ چنانچہ غزوہ بدر کے بعض واقعات اِن سے مروی ہیں۔

۳ھ میں غزوہ اُحد پیش آیا تو اِس وقت بھی حضرت انسؓ کی عمر لڑائی کے قابل نہیں تھی۔ لیکن انہوں نے اِس موقع پر بھی بڑے ذوق و شوق سے حضورﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ بعد میں وہ اِس غزوہ کے چشم دید واقعات لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ میرے چچا جن کا نام بھی میری طرح انس (یعنی انسؓ بن نضر) تھا۔ وہ غزوہ بدر میں شریک نہ تھے۔ اس پر اُنہوں نے ایک دفعہ رسول اللہﷺ کی خدمت میں عرض کی، یا رسول اللہﷺ سب سے پہلی لڑائی جو آپ مشرکوں سے لڑے ہیں اس میں موجود نہ تھا لیکن اگر اب کوئی لڑائی آپ کی مشرکوں سے ہوئی تو اللہ تعالیٰ جان لے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ پھر جب اُحد کی جنگ کا موقع آیا اور مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے تو میرے چچا انسؓ نے یوں دُعا کی کہ اے اللہ میں ان میدان سے ہٹنے والے مسلمانوں کیلئے تجھ سے معافی طلب کرتا ہوں اور ان مخالف مشرکوں کو ظلم و تعدی سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر مشرکوں کی طرف بڑھے، سامنے ایک صحابی حضرت سعدؓ بن معاذ ملے تو میرے چچا نے ان سے کہا، اے سعدؓ بن معاذ اب تو جنت حاصل کرنے کا موقع ہے۔ خدا کی قسم مجھے تو اُحد کی طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے (یہ کہہ کر تلوار چلاتے ہوئے لشکر اسلام میں گھس گئے یہاں تک کہ شہید ہو گئے) ہم نے ان کے بدن پر پچھاور پر اسی زخم

پائے کچھ تلوار کے، کچھ نیزہ کے اور کچھ تیروں کے۔ دشمنوں نے ان کے کان، ناک وغیرہ کاٹ لیے تھے ہم تو ان کو پہچان نہ سکے ہاں ان کی ہمشیرہ (حضرت رُبیعؓ بنتِ نضر) نے ان کی اُنگلی کی ایک پور سے ان کو پہچانا۔

ایک اور روایت میں کہتے ہیں کہ اُحد کے دن جب مسلمان اِدھر اُدھر منتشر ہونے لگے تو صرف حضرت ابوطلحہؓ اپنی ڈھال سے حضورﷺ کو محفوظ کیے ہوئے تھے۔ وہ بہت اچھے تیر اندازوں میں تھے۔ ان کی کمان کی تانت بہت سخت تھی اور اس روز دو یا تین کمانیں توڑ چکے تھے۔ جب حضورﷺ سر مبارک اُٹھا کر دشمنوں کی طرف دیکھتے تو ابوطلحہؓ عرض کرتے یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں سر اوپر نہ اُٹھائیں مبادا کوئی تیر آ کر لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے سینے کے آگے ہے۔ اِس وقت میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ اور اُم سُلیمؓ مشکوں میں پانی بھر بھر کر لا رہی تھیں۔ ان کے پیروں کے زیور نظر آ رہے تھے۔ وہ زخمیوں کے منہ میں پانی ٹپکاتیں۔ پانی ختم ہو جاتا تو اور لاتیں اور ان زخمیوں کے منہ میں ڈالتیں۔

اُحد کے بعد حضرت انسؓ نے ۵ ہجری میں غزوہ احزاب اور اس سے متصل غزوہ بنو قریظہ میں سرورِ عالمﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔

۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان کا مہتمم بالشان واقعہ پیش آیا اِس میں جن اصحابؓ نے سرورِ عالمﷺ کی دستِ مبارک پر مرنے مارنے کی بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں ان کو اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ حضرت انسؓ بھی ان خوش بخت اصحاب میں شامل تھے۔

بیعتِ رضوان کے بعد حضرت انسؓ غزوہ خیبر میں والہانہ ذوق وشوق سے شریک ہوئے۔ مسند ابوداؤد میں ان سے روایت ہے کہ میں نے جنگ خیبر میں رسول اللہﷺ کو ایک گدھے پر سوار دیکھا جس کی باگ کھجور کی چھال کی بنی ہوئی تھی۔ اِسی روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ گدھے پر بھی سوار ہو جاتے۔ صوف کا بُنا ہوا کپڑا بھی پہن لیتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے۔

مسندِ احمدؒ میں ہے کہ فتح کے بعد (داخلہ خیبر کے وقت) حضرت انسؓ حضرت ابوطلحہؓ کے ساتھ اُونٹ پر سوار تھے اور حضورﷺ کی سواری کے اس قدر قریب تھے کہ ان کے قدم حضورﷺ کے قدم مبارک کو چھو گئے۔ جلدی سے اپنا قدم پیچھے ہٹایا تو وہ حضورﷺ کی ازار مبارک سے اُلجھ گیا جس سے اِزار مبارک اس طرح کھسک گئی کہ آپؐ کے زانوئے اقدس کی سفیدی لوگوں کو نظر آ گئی۔ عام حالات میں حضورﷺ اپنے زانوئے مبارک کا عریاں ہونا کبھی گوارا نہ فرماتے لیکن اِس موقع پر آپؐ نے عفوودرگزر سے کام لیا اور حضرت انسؓ سے مطلق باز پرس نہ فرمائی۔

ذیقعدہ ۷ ہجری میں رحمت عالمﷺ عمرۃ القضا کیلئے مکہ تشریف لے گئے۔ اس موقع پر جن جانثاروں کو آپﷺ کی معیت کا شرف حاصل ہوا، حضرت انسؓ بھی ان میں شامل تھے۔ ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر بھی وہ حضورﷺ کے ہمرکاب تھے اس کے بعد انہوں نے حنین اور طائف کے معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ ۹ ھ میں حضرت انسؓ نے حضورﷺ کے ساتھ جھلسا دینے والی گرمی میں تبوک کے طویل سفر کی صعوبتیں جھیلیں۔ اس کے بعد ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔ ۱۱ ہجری میں سرورِ عالمﷺ نے وصال فرمایا تو حضرت انسؓ پر کوہِ غم ٹوٹ پڑا۔ ترمذی شریف میں ان سے روایت ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو تمام مدینہ جگمگا اُٹھا اور جس دن آپؐ کی وفات ہوئی تمام مدینہ تاریک تھا، اور ہم آپؐ کو مٹی دے کر ابھی اپنے ہاتھ جھاڑنے بھی نہ پائے تھے کہ اپنے قلوب کی حالت دیکھی تو دگرگوں تھی۔

(جاری ہے)

پیارے رسول ﷺ کی پیاری زبان

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

اِسم ضمیر

اِسم ضمیر وہ اِسم معرفہ ہے جو اسم ظاہر کی جگہ لایا جاتا ہے۔ اِسم ضمیر (Pro-Noun) کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ **ضمیر مُتَّصِلْ**:۔ یعنی ملا ہوا یا جڑا ہوا۔ یہ الگ استعمال نہیں ہوتا بلکہ کسی فعل یا اسم کے ساتھ ملا ہوا آتا ہے۔ جیسے **ضَرَبَہٗ** اُس کو مارا۔ **کِتَابُہٗ**۔ اُس کی کتاب! **رَبُّنَا** ہمارا رب۔

2۔ **ضمیر مُنْفَصِلْ**:۔ اِس کا استعمال دوسرے کلمے یا لفظ کے ساتھ ملائے بغیر ہوتا ہے۔ جیسے **هُوَ** وہ آدمی، **اَنْتَ** تُو، **نَحْنُ** یعنی ہم۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اِجتماع 2010ء

(سید رحمت اللہ شاہ)

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع 2010ء طے شدہ پروگرام کے مطابق 9۔ اپریل بروز جمعۃ المبارک شروع ہو کر 11۔ اپریل بروز اتوار بعد از نماز فجر جاری رہا۔ مرکز تعمیر ملت وحید کالونی نزد کوٹ شاہاں پر ہونے والے اِس اجتماع کے انتظامات ایک ڈیڑھ ماہ قبل ہی شروع ہو چکے تھے۔ قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب کی زیر سرپرستی جناب محمد طالب صاحب اپنی نگرانی میں دیگر دوست احباب کی ایک فعال ٹیم کے ساتھ اجتماع شروع ہونے سے ایک روز قبل تک تمام ابتدائی ضروری انتظامات مکمل کر چکے تھے۔

9۔ اپریل 2010ء بروز جمعۃ المبارک اجتماع کا پہلا دن تھا۔ اِنتظامیہ علی الصبح ہی دور دراز مقامات سے آنے والے توحیدی بھائیوں کے اِستقبال کیلئے تیار تھی۔ ملتان، شجاع آباد، لسوڑی، چوک اعظم اور فتح پور میں موجود حلقہ جات سے توحیدی بھائی اپنی سابقہ روایت کے مطابق صبح سویرے ہی مرکز پر آنا شروع ہو گئے۔

محترم بابا جان بھائیوں کے استقبال کیلئے مرکز تعمیر ملت کے برآمدے میں جلوہ افروز تھے۔ آنے والے بھائیوں سے ملاقات کے ساتھ ساتھ حال احوال اور عمومی بات چیت کرتے رہے۔ قبلہ بابا جان سے ملاقاتوں کا یہ سلسلہ کم و بیش گیارہ بجے تک جاری رہا۔ آنے والے بھائیوں کی ناشتہ اور چائے سے تواضع کیلئے مرکز تعمیر ملت کے ہال میں دستر خوان موجود تھے۔ بابا جان سے سلام دُعا، حال احوال کے بعد بھائی ناشتہ کیلئے آتے۔ ناشتہ و چائے کے بعد آرام کرنے کیلئے اپنے لئے آراستہ کی گئیں قیام گاہوں میں چلے جاتے۔ آنے والوں کیلئے ناشتہ اور چائے کی چھوٹی بڑی نشستیں قبل از دوپہر تک جاری رہیں۔ بھائیوں کی معلومات، یاددہانی اور اظہارِ تشکر کیلئے عرض کرنا چلوں کہ اماں جان مصروفیات اور رش کے ان ایام میں اجتماع کے انتظامات کیلئے مرکز پر موجود افراد کے کھانے کا انتظام خود کرتی ہیں۔

سالانہ اجتماع کیلئے اجتماع گاہ کو خوبصورت بینرز سے سجایا گیا تھا۔ جن پر بانی

سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی کتاب سے اقتباسات، علامہ محمد اقبالؒ، مولانا روم اور دیگر شعراء کی شاعری میں سے منتخب اشعار، احادیث مبارکہ اور قرآن پاک کی آیات تحریر تھیں۔ اجتماع گاہ کے داخلی دروازے کے نزدیک ہی پہلے دن کا پروگرام آویزاں کیا گیا تھا۔ نماز جمعہ کا خطبہ جناب حافظ عبدالکریم صاحب نے دیا اور امامت کرائی۔ نماز جمعہ کے بعد طعام گاہ میں ظہرانہ سے معزز مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ طعام گاہ پر حلقہ توحیدیہ گکھڑ کے محترم حاجی احمد صاحب، جناب محمد بشیر بٹ صاحب (المعروف وزیر خوراک) اور نوشہرہ ورکاں سے جناب محمد ارشد صاحب دیگر کئی دوست احباب کے ساتھ کھانے کے انتظامات کرانے میں سرگرم تھے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد پروگرام کے مطابق آرام کا وقفہ تھا۔ دور دراز اور قرب و جوار سے بھائیوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ جنہیں استقبالیہ پر موجود حلقہ توحیدیہ گکھڑ کے بھائی خوش آمدید کہتے رہے۔ ان کے تعارفی Name Tag جاری کر کے ان کی راہنمائی کرتے رہے۔

لوڈشیڈنگ سے پیدا ہونے والی صورتحال اور دیگر الیکٹرک اور ساؤنڈ سسٹم میں کسی قسم کی فنی خرابی کا فی الفور تدارک کرنے کیلئے گوجرانوالہ کے بھائی محمد اقبال صاحب نے مرکز تعمیر ملت پر کل وقتی قیام کیا۔ انہوں نے طاقتور جنریٹر اور دیگر ساز و سامان کے ساتھ کاریگر حضرات کے ہمراہ اجتماع اور مہمان بھائیوں کے آرام کے ماحول کو ممکنہ حد تک پرسکون رکھا۔

سالانہ اجتماع 2010ء کے پہلے دن کا اجلاس بعد از نمازِ عصر شروع ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض راقم الحروف کے ساتھ گوجرانوالہ کے بھائی جناب طارق محمود صاحب نے سرانجام دیئے۔ تلاوت قرآن پاک سے پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا جس کی سعادت جناب عزیز عارف صاحب نے حاصل کی۔

سب برادران سلسلہ نے اجتماعی طور پر چند مرتبہ درود شریف پڑھا۔ جس کے بعد تلاوت فاتحہ و قل شریف، ایصال ثواب و دُعائے خیر قبلہ بابا جان نے کرائی۔ ایک مختصر سا وقفہ شرینی اور چائے کیلئے ہوا۔ تمام احباب اجتماع گاہ میں بیٹھے رہے انہیں پہلے شیرینی کے ساتھ ٹشو پیپر اور پھر چائے پیش کی گئی۔ شیرینی میں اِس مرتبہ ''امرتی'' کا انتخاب تھا۔ جسے دیکھتے تو حیدی بھائیوں کو

یاد آ جاتا ہے کہ ''امرتی'' کو ہمارے محسن بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ پسند کرتے تھے اور اسے انہوں نے ''حور کے کنگن'' کا نام دیا تھا تھوڑی دیر بعد چائے کے کپ اور ٹشو پیپر زا جتماع گاہ سے اکٹھے کر لیے گئے ۔وقفہ برائے تقسیم شیرینی وچائے بہت منظم انداز سے ختم ہوا۔ جس کے فوراً بعد ڈاکٹر میاں علی رضا صاحب توحیدی نے خطبہ استقبالیہ میں توحیدی بھائیوں کو خوش آمدید کہا۔ سالانہ اجتماع کی روح کو اُجاگر کیا اور خوبصورت پیرائے میں مہمان دوستوں کو سالانہ اجتماع کے آداب سے آگاہ کیا۔ پروگرام کے مطابق برادران حلقہ کے اظہار خیال کا سلسلہ شروع ہوا جو اذانِ مغرب سے کچھ دیر قبل جاری رہا۔ سب سے پہلے گکھڑ منڈی سے آنے والے جناب عبدالقیوم ہاشمی صاحب ''ذکر الٰہی: قرآن وسنت کی روشنی میں'' کے عنوان پر حاضرین سے مخاطب ہوئے ۔ان کے بعد جناب عبدالرشید ساہی صاحب نے ''اقبال کا تصوف'' کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جناب نعمان احمد صاحب نے ''محبت اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ'' پر بات کی۔ اُنہوں نے دیگر سلاسل تصوف کے ساتھ اپنے گزرے ہوئے اوقات اور تجربہ کی روشنی میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت کو اُجاگر کیا اور اپنے مختصر خطاب کو برادران حلقہ سے تعلیمات سلسلہ پر عمل کرنے کی اپیل کے ساتھ ختم کیا۔ ''تسلیم و رضا کے اثرات'' پر بات کرنے کیلئے سید محمد امین شاہ صاحب بخاری کی اعلیٰ و ارفع مثالیں دے کر نہ صرف موضوع گفتگو کو خوبصورت الفاظ میں پرو دیا بلکہ حاضرین کے قلب و روح کو ان واقعات سے ایک جوش اور جذبہ عمل عطا کیا۔

اذان و نماز مغرب کا وقت قریب تھا۔ وضو وغیرہ کیلئے اعلان ہوا جس کے بعد ڈاکٹر میاں علی رضا صاحب توحیدی نے اعلان کیا کہ جو حضرات اجتماع کے دوسرے روز بیعت ہونے کیلئے آئے ہیں وہ اپنے نام خادم حلقہ کے توسل سے استقبالیہ پر پہنچا دیں۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں رائج ضابطے کے مطابق کسی فرد کو بھی بیعت ہونے سے پہلے چند ماہ با قاعدہ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات پر عمل کرنا ہوتا ہے ۔خاص طور پر روزمرہ کا ذکر کر کے اِسکی افادیت سمجھنا ہوتی ہے کسی دنیاوی مقصد یا محض برکت کیلئے کسی کو بیعت نہیں کیا جاتا۔

نماز مغرب کے بعد اجتماعی حلقہ ذکر راولپنڈی کے بھائی جناب پیر خان صاحب نے کرایا۔ حلقہ ذکر کے بعد نماز عشاء با جماعت ادا کر کے تمام حاضرین نے طعام گاہ میں رات کا

کھانا کھایا۔طعام گاہ میں سینکڑوں افراد کے کھانے کا ایک نشست میں انتظام تھا۔سب حاضرین نے بسہولت شفٹوں میں کھانا کھایا۔باذوق افراد کیلئے کھانے کے بعد عارفانہ کلام کا اہتمام تھا۔ جس میں دیگر افراد کے علاوہ عبدالرشید ساہی صاحب اور بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سے فیض یافتہ محمد صدیق صاحب (تانگے والے) نے محفل کو گرمایا۔کم وبیش ایک گھنٹہ عارفانہ کلام کا سلسلہ جاری رہا۔بعدازاں دوست احباب اجتماع گاہ،طعام گاہ اور اقامت گاہوں میں حسب خواہش آرام کرنے اور اپنے پیاروں کے ساتھ تادیر چھوٹے بڑے گروپوں میں گفت وشنید میں مصروف رہے۔

10 اپریل 2010ء بروز ہفتہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماع کا دوسرا دن تھا۔نماز فجر کے بعد ختم قرآن پاک کیلئے سب بھائی اجتماع گاہ میں بیٹھے رہے۔ختم پاک ہوا۔ ایصال ثواب اور دُعا جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے کرائی۔اجتماع گاہ کے باہر دوسرے دن کا پروگرام آویزاں کیا گیا تھا۔جس کے مطابق صبح 9 بجے سے پہلے تک وقفہ برائے طہارت، غسل اور ناشتہ تھا۔تمام حضرات نے حسب عادت اور دل پسند مصروفیات میں وقت گزارا اور ناشتہ کیا۔سالانہ اجتماع کا دوسرا اجلاس بروقت شروع ہوا۔شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب سٹیج پر تشریف لائے۔تلاوت قرآن پاک کی سعادت جناب عزیزم عارف صاحب نے حاصل کی۔نعت رسول مقبول ﷺ کیلئے جناب حافظ عبدالکریم صاحب تشریف لائے جس کے بعد جناب عظمت فاروق صاحب نے کلام اقبال پیش کیا۔برادران حلقہ توحیدیہ کے اظہار خیال کا سلسلہ شروع ہوا۔ملتان سے آنے والے جناب خالد محمود بخاری صاحب نے ''خدمت خلق اور اسلام'' کے موضوع پر بہترین خطاب کیا۔''توحید کا کردار پر اثر'' پر بات کرنے کیلئے راولپنڈی کے بھائی جناب عتیق احمد عباسی صاحب آئے اور اِس عنوان پر سیر حاصل گفتگو کی۔

ڈاکٹر میاں علی رضا صاحب توحیدی نے بانی سلسلہ قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی سوانح حیات، جناب رسالدار محمد حنیف خان شہیدؒ کی حیات مبارکہ، بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی محافل کے واقعات اور اُن کے سینکڑوں خطوط اور چند نایاب اور یادگار تصاویر پر مشتمل ایک بہترین کتاب مرتب کی ہے۔اِن کی اس انمول کاوش کو شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ بابا

جان محمد صدیق ڈار صاحب نے ''فرموداتِ فقیر'' کا عنوان دیا ہے۔اس موقع پر ڈاکٹر میاں علی رضا صاحب توحیدی اِس کتاب کی تقریب رونمائی اور تعارف کیلئے تشریف لائے اور حاضرین اجتماع کو اس کتاب ''فرموداتِ فقیر'' سے روشناس کرایا۔جسے حاضرین نے بہت سراہا۔ایک مختصر سا وقفہ ہوا جس میں شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ محترم بابا جان اجتماع گاہ میں ہی برادران حلقہ اور نئے مہمانوں کے ساتھ وعظ ونصیحت اور سوالات کے جوابات میں مصروف رہے۔اِس وقفہ کے بعد مجازین اور خادمانِ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی نشست مرکز تعمیر ملت کے ہال میں شروع ہوئی اور اظہار خیال کا سلسلہ اجتماع گاہ میں چلتا رہا۔فیصل آباد سے آنے والے معزز مہمان جناب منور حسین صاحب ایڈووکیٹ نے ''بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کی'' کے موضوع پر بات کی۔یہ معزز مہمان کیونکہ بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سے بھی فیض یافتہ تھے۔اِن کی گفتگو میں اس دور کے حوالے سے بھی باتیں شامل تھیں جن کو حاضرین محفل یکسوئی اور دلچسپی سے سنتے رہے۔کراچی سے آنے والے جناب اشفاق احمد صاحب سٹیج پر تشریف لائے اور انہوں نے اپنے والد گرامی جناب سید محمد ادریس شاہ صاحب کی یاد تازہ کی۔سید محمد ادریس شاہ صاحب کی بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سے ملاقات اور بعد ازاں مرکز تعمیر ملت پر ہونے والے اجتماع میں ان کی آمد،توحیدیہ لائبریری کیلئے اُردو،انگریزی، فارسی اور عربی کتب کے وسیع ذخیرہ کا عطیہ، بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق کتاب ''تعمیر ملت'' کے انگریزی ترجمہ "Reconstructuring of Millat" کے حوالے سے انہیں خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

چوک اعظم سے نوجوان توحیدی جناب محمد مبشر صاحب نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور بتایا کہ وہ کیسے توحیدی بنے۔

ملتان میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری (مرحوم) نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی دعوت کو سب سے پہلے متعارف کرایا تھا۔ان کے بھائی سید امین شاہ صاحب بخاری نے سٹیج پر آ کر اپنے بزرگ بھائی کی زندگی سے متعلق چند حالات سے حاضرین کو آگاہ کیا۔بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب نے شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے منصب کی ذمہ داری سنبھالی تو ان دنوں شیخ محمد اکرم صاحب کو آپؒ

کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ جناب شیخ محمد اکرم صاحب نے اس دور کی یاد تازہ کی اور بابا جان کی سراپا مہر و وفا شخصیت کے بارے میں اپنے تاثرات پیش کیے جن سے حاضرین میں غصہ اور نفرت پر ضبط کی بہترین تحریک پیدا ہوئی۔ سید قیصر شاہ صاحب بخاری کو کاشانۂ توحیدیہ نوکھر اور مرکز تعمیر ملت پر بابا جان کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ اُنہوں نے اپنے پیار بھرے انداز میں شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محترم بابا جان سے محبت کو اُجاگر کیا اور تعلیمات توحیدیہ پر پورے ذوق و شوق سے عمل کی دعوت اور اپیل کی۔ نیویارک (امریکہ) سے آئے ہوئے ہمارے توحیدی بھائی جناب امجد نواز صدیقی صاحب نے انتہائی مختصر وقت میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستگی، توسیع دعوتِ توحیدیہ اور عمل کی تحریک زندہ کی۔

نمازِ ظہر کیلئے اذان، نماز باجماعت اور پھر دوپہر کا کھانا تھا۔ برادران حلقہ کی کثیر تعداد کے پیش نظر اعلان کیا گیا کہ پہلے دور دراز مقامات سے آنے والے دوست احباب کھانے کیلئے تشریف لائیں جبکہ قریبی اور مقامی حلقہ جات سے آنے والے احباب دوسری شفٹوں میں کھانا کھائیں۔ شرکاء اجتماع نے مثالی نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد کم و بیش دو گھنٹے آرام کا وقفہ تھا۔

نمازِ عصر کے بعد سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماع کا تیسرا اجلاس شروع ہوا اِس اجلاس میں سب سے اہم قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی کا سالانہ خطبہ تھا۔ اِس سال سالانہ خطبہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سلوک یعنی قرب، لقاء، دیدار اور عرفان باری تعالیٰ سے متعلق تھا۔ جس کا عنوان ''نعمتِ دیدار'' تھا۔ قبلہ حضور ﷺ کے سالانہ خطبہ کے بعد ایک مختصر سا وقفہ ہوا۔ نمازِ مغرب باجماعت ادا کی گئی۔ اب اجتماعی حلقہ ذکر ہونا تھا۔ اس روز اجتماعی حلقہ ذکر فیصل آباد سے ہمارے بھائی جناب منظور قادر بھٹہ صاحب نے کرانا تھا۔ جناب منظور قادر بھٹہ صاحب نے پہلے ذکر کا طریقہ بتایا اور اس کے بعد ذکر کرایا۔ حلقہ ذکر کے بعد ''نشست بیعت'' تھی۔ نشست بیعت میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں رائج ضابطے پر بہت سختی سے عمل کیا گیا۔ صرف اِنہیں افراد کو اپنے خادمانِ حلقہ کے ساتھ بیعت کے لئے آگے آنے کو کہا گیا جن حضرات کے نام پہلے روز کے اعلان کے مطابق درج ہو چکے تھے۔ جن کی طلب اور مقصد بیعت وغیرہ کے بارے میں

تسلی کر لی گئی تھی۔ بابا جان نے نئے بیعت ہونے والے سب حضرات سے بیعت لی۔ اِن کیلئے دُعا کی گئی۔ بابا جان نے اپنے ہاتھ سے ان نئے بھائیوں کو مٹھائی کھلائی۔ سب حاضرین مجلس میں مٹھائی تقسیم ہوئی۔ نمازِ عشاء کیلئے اذان ہوئی اور نماز با جماعت ادا کی گئی۔ نماز کے بعد کھانے کی چند شفٹیں لگیں۔ ایک مختصری محفل برپا ہوئی جس میں حاضرین نے بلا تکلف گفتگو کی۔ شعر و غزل اور نعت وغیرہ پڑھیں۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماع 2010ء کا چوتھا اجلاس دس بجے شروع ہوا۔ جس میں محفلِ سماع ہونا تھی۔ حاضرین کو محفل سماع کے آداب اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں محفل سماع کے دوران نظم وضبط اور ضابطہ اخلاق سے آگاہ کیا گیا۔ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب تشریف لائے اُنہوں نے اپنی دائیں طرف جناب مولوی محمد یعقوب صاحب اور بائیں طرف جناب سید امین شاہ صاحب بخاری کو بٹھایا۔ قوال حضرات نے قبلہ بابا جان سے اجازت چاہی اور محفل سماع شروع ہوئی۔ محفل سماع کے کیف و سرور سے تمام حاضرین مستفیض ہوئے۔ رات ڈیڑھ بجے سے 2 بجے تک قہوے کیلئے وقفہ ہوا۔ بعد ازاں محفل سماع جاری رہی۔ اذان فجر سے قبل محفل سماع کے اختتام پر سب حاضرین قبلہ حضور بابا جان کے قریب سٹیج کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے اور جناب عزیز صاحب نے سب کو ساتھ ملا کر پورے سوز اور ترنم سے ترانہ توحیدیہ پڑھا۔ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ حضور بابا جان نے اختتامی دُعا کی۔ نماز فجر کی اذان اور پھر نماز با جماعت ادا کی گئی۔ تمام دوست احباب کیلئے ناشتہ تیار تھا۔ نماز کے فوراً بعد سب نے ناشتہ کیا۔ مہمان بھائیوں نے اپنے مقامی انتظامیہ میں شامل بھائیوں کی مدد کرتے ہوئے اجتماع گاہ میں موجود سامان سمیٹ کر اکٹھا کرایا جسے مقامی اِنتظامیہ نے بعد ازاں خود ترتیب دیا۔ برادران سلسلہ نے حسب سہولت روانگی کی تیاری کی اور مرکز سے رُخصت ہونے لگے۔ قبلہ حضور بابا جان نے مختلف انتظامی ذمہ داریوں پر موجود توحیدی بھائیوں سے ملاقات کی اور اِنتظامی معاملات کو مستحسن انداز میں اپنی سرپرستی میں ختم کرایا۔ اس طرح سالانہ اجتماع 2010ء ایک تشنگی کے ماحول میں شروع ہو کر چشم زدن میں تمام توحیدی بھائیوں کے قلب و روح میں ایک سوز و گداز کی سی کیفیت دے کر تاریخ کے ابواب میں ایک سنہرے باب کے طور پر رقم ہو گیا۔

دیا نگر کی شہزادی

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

دیا نگر کے مہاراجہ اِن چند والیانِ ریاست میں سے تھے جو وضع داری اور مغربی تعلیم کے بظاہر متضاد اوصاف کا مرکز تھے، اِن کے مذہب کو علوم جدید کی روشنی نے کوئی صدمہ نہیں پہنچایا تھا لہٰذا ان کیلئے نہایت آسان تھا کہ شیلے اور کیٹس کی نظموں کا مطالعہ کرنے کے بعد مندر میں جا کر بت پرستی کریں۔

وہ ویدانت کے عمیق فلسفہ کو اوہام پرستی کے منافی خیال نہیں کرتے تھے اور سپنسر اور بریڈلے کے مقالات پڑھ کر بھی چاترک کے حامی تھے۔ اِن کی اکلوتی بیٹی سندر کماری تھی جو اپنے نام کی تفسیر تھی۔ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی شامل تھا۔ مجسمہ حسن و معصومیت، جہاں پہنچتی تھی، اپنی شعلہ افروز نگاہوں سے لوگوں کے خرمن دل کو جلا دیتی تھی۔

یہ مجسمہ حسن ایک باہوش راجکمار کے قلب کی تسکین کا سامان ہوئی اور شادی کی مقدس زنجیر کی بدولت اس سے وابستہ ہوگئی۔ شہزادہ بھی قسمت سے ویسا ہی ملا جیسا ملنا چاہئے تھا۔ حسین، شریف، سمجھدار، نیک اور مخلص، اس کا دل محبت سے لبریز تھا اور سندر کماری کے دل کے جذبات کو بھی سمجھتا تھا دونوں کو ایک دوسرے کی بدولت جنت حاصل تھی اور ان کی چھوٹی سی دنیا میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

مگر یہ کب ہوا ہے کہ دو دلوں کو راحت نصیب ہوئی ہو اور تفرقہ پرواز فلک چین سے بیٹھا ہو؟ راجکمار اور سندر کماری اِسی دنیا کے فانی انسان تھے۔ یہ بھی اِن قوانین ابدی کے ماتحت تھے جن سے کسی کو چارہ نہیں۔ غرض سندر کماری کو راجکماری کی فرقت کا صدمہ سہنا پڑا، اور قدرت نے اس کے محبوب شوہر کو اس سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جدا کر دیا۔

سولہ برس کے سن میں ایک پیکر حسن و جمال کی بیوگی اور پھر ہندو قانون کے مطابق اس کا مدت العمر ایک زہرہ گداز سانحہ کے رنج و الم کیلئے وقف ہو جانا۔ اب حالت یہ ہے کہ سندر کماری کی دنیا کی کسی چیز سے رغبت نہ ہے۔ وہ زیب و زینت جو نسوانی حسن کا تتمہ ہے، اس کے جسم سے نا آشنا ہے۔ وہ راحتیں جو جوانی کیلئے پیدا ہوتی ہیں وہ اس سے کوسوں دور ہیں۔ اس کے دل کی روشنی تاریکی سے تبدیل ہوگئی اور اب تمام دنیا اس کی نظر میں اندھیر ہے۔ وہ اکثر کہتی ہے اور سچ

کہتی ہے کہ کاش میں مر جاتی! مگر موت کی آرزو کا پورا ہونا آسان نہیں۔ آرزو جس چیز کی بھی ہو، مدعا کے حصول کو دشوار بنا دیتی ہے۔

وہ غم جو گلہ گھونٹتا ہے اور دل میں دھواں پیدا کرتا ہے اکثر انسان کو دنیا کی طرف سے مایوس کر کے ان ابدی حقیقتوں کی طرف متوجہ کر دیتا ہے جن کو ہم روحانیت یا مذہب کہتے ہیں۔ روح دنیا کی مسرتوں سے بیزار ہو کر ان مسرتوں کے اکتساب کی تلاش میں گم ہو جاتی ہے جن کو فنا نہیں۔

سندر کماری نے بھی دنیا کی طرف سے بیزار ہو کر مذہب کی طرف رجوع کیا اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر بنارس روانہ ہو گئی۔ اس کے ضعیف باپ نے ہر چند کوشش کی کہ اِسے کچھ دولت دے دے کہ وقت پر کام آئے یا کچھ اور ایسا بندوبست کر دے کہ اِسے تکلیف نہ ہو، لیکن اس نے قبول نہ کیا اور کہا کہ ''میں دھرم کیلئے باہر نکلی ہوں، بھگتی میں مایا کا کیا کام؟''۔

راجہ صاحب کو مجبور ہونا پڑا' اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ ان کی بیٹی کا ارادہ کس قدر مضبوط ہے۔ اِسکے علاوہ اسکے مذہبی ارادوں میں خلل ڈال کر اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں چاہتے تھے۔

دُنیا کی وہ مقدس چیزیں جو ہمیں دور سے بہت دل فریب نظر آتی ہیں، اکثر بہت ہی مکروہ اور خراب ہوتی ہیں! کتنے راہب ایسے ہیں جو فی الحقیقت راہب ہوں! اور کتنے ہادی واقعی ہدایت کا کام کرتے ہیں ۔۔۔ جب سندر کماری بنارس پہنچی تو اِسے بھی ان تلخ حقیقتوں کا احساس ہوا۔ اِس کے رنج والم نے اس کی فطری کشش کو کم نہ کیا تھا اور اس کا زاہد فریب حسن اب بھی تارک الدنیا راہبوں تک کو اپنا گرویدہ بنا لیتا تھا۔ وہ بنارس جاتے ہی ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گئی۔ اس دُنیائے تقدس میں جہاں گناہ کا نام لینا بھی گناہ تھا، سندر کماری کو ہر در و دیوار سے گناہ کی آواز آنے لگی۔ وہ حیران تھی کہ میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ اِس سر زمین میں جہاں دنیوی ثقافتوں سے بالاتر ہونے کی آرزومند ہوں، میرا امتحان اِس قدر شدید کیوں لیا جاتا ہے؟ کیا دُنیا نیکوں سے خالی ہے؟ کیا تقدس و رہبانیت کا خاتمہ ہو گیا ہے؟ کیا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو صحیح ہدایت کرے اور مجھے وہ راستہ دکھا دے جہاں پہنچ کر میں تمام دنیا کو فراموش کر دوں؟

ایک روز اِسی خیال میں مستغرق گنگا کے کنارے ایک تنہا مقام پر بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کاشی میں آنے کے بعد سے اس وقت تک کے تمام نظر پھر گئے۔ اکثر پنڈتوں کی بداخلاقی اور اس کی عصمت کے خطرہ میں پڑ جانے کے تمام واقعات اس کی نظر کے سامنے آ گئے اور اس کی آنکھوں کے سامنے ان پجاریوں کے مقدمہ کی بھیانک تصویر بھی آ گئی، جو معصوم عورتوں کو تہہ خانہ

میں رکھنے، ان کی عصمت پر ڈاکہ ڈالنے اور ناجائز بچوں کو مار پھینک دینے کے ہولناک جرائم میں ۱۹۰۳ء میں گرفتار ہوئے تھے۔ اِس مقدمہ میں بنارس کے ایک تہہ خانے میں سے تقریباً ستر بچوں کی کھوپڑیاں نکلی تھیں جن کو چھپانے کیلئے مار کر وہاں ڈال دیا گیا تھا۔

اِس نے اپنے قلب کی حالت کو دیکھا اور اس پر یہ حقیقت اور بھی واضح ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ مجھے بہت اچھی طرح عبادت کرنی چاہیئے، شاید اس سے مجھے اپنے نفس پر قابو حاصل ہو جائے اور میں فطرت کے مقابلہ میں کامیاب ہوسکوں۔ لہٰذا وہ تمام مندروں میں گئی اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دُعائیں مانگیں کہ دیوتا اِسے قدرت پر نہ سہی کم از کم اس کے نفس پر اس کو فتح دلا دیں۔ یہ عمل ایک عرصہ تک جاری رہا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا اور سندر کماری کے شکوک و شبہات ترقی ہی کرتے رہے!

ایک دن وہ مندر سے نکل رہی تھی اس نے دیکھا کہ ایک غریب آدمی مندر میں جانا چاہتا ہے لیکن جوئی اسے گھسنے نہیں دیتا۔ جب اس نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اچھوت ہے اور اگر وہ اندر گھس آیا تو مندر ناپاک ہو جائے گا، اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ بے چارہ انسان کیا ان دیوتاؤں کو ماننے والا نہیں ہے؟ پھر دیوتا کے پجاری اسے اپنے معبود تک کیوں نہیں جانے دیتے؟ اس نے قریب جا کر اس شخص سے پوچھا کہ "کون ہے؟" اس نے کہا کہ "میں ایک غریب آدمی ہوں، میں دیوتا کے درشن کرنا چاہتا ہوں، لیکن مجھے گھسنے نہیں دیا جاتا کہ میرے جانے سے مندر ناپاک ہو جائے گا۔" سندر کماری نے پوچھا "کیا تم انسان نہیں ہو؟"۔

اِس نے جواب دیا "میں انسان ضرور ہوں لیکن پنڈت کہتے ہیں کہ میرے چھونے سے ہر چیز خراب ہو جاتی ہے۔ جس کھانے کو چھو لیتا ہوں اور جس پانی کو میں پی لیتا ہوں، حتیٰ کہ جس چیز پر میرا سایہ پڑ جاتا ہے وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے۔"

سندر کماری زیادہ نہ سن سکی، وہ خیالات میں ڈوب گئی اور وہاں سے چلی گئی۔

چاندنی رات کی روشنی میں بنارس کی عالمگیری مسجد نے ایک خاص دل آویزی اختیار کر لی تھی۔ اس کے بلند میناروں پر ایک سکوت کا عالم طاری تھا اور اس کے گنبدوں کا شکوہ اور بڑھ گیا تھا۔ سندر کماری کھڑی ہوئی اس نظارہ کو دیکھ رہی تھی اور تعجب کر رہی تھی کہ کیا یہ عمارت بھی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں کا ویسا ہی مرکز ہے جیسا کہ دوسرے معابد میں دیکھ چکی ہوں۔ وہ جانتی تھی کہ دنیا کی آبادی کا ایک حصہ مندروں سے علیحدہ ہے اور مسجدوں میں کر عبادت کرتا ہے۔ اب اس کے دل میں یکا یک یہ خیال آیا کہ اس کے اندر عبادت کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے اندر کس کی

عبادت ہوتی ہے؟ کیا اس میں وہ لوگ جمع ہوتے ہیں جو میری طرح مندروں سے بیزار ہیں۔

اِن خیالات میں مستغرق اپنے وجود سے بے خبر وہ اس جگہ کھڑی رہی اور سوچتی رہی کہ یکا یک اس نے اذان کی آواز سنی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا کہ ایک حلال خور اپنا جھاڑو رکھ کر زینہ پر چڑھا اور مسجد میں داخل ہوگیا۔ سندر کماری کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اب لوگ اس کو روکیں گے، لیکن اسے کسی نے بھی اندر جانے سے منع نہ کیا۔

سندر کماری بہت حیران ہوئی اور وہ بھی مسجد میں داخل ہوگئی اور صحن کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئی۔ حلال خور نے مسجد میں وضو کیا اور نماز میں شریک ہوگیا۔

سندر کماری نے خیال کیا کہ لوگوں نے اِسے پہچانا نہیں ہے اگر میں بتادوں گی تو یہ مسجد سے نکال دیا جائے گا۔ وہ ہمت کرکے اُٹھی مسجد کے اندر راور اس کا ہاتھ پکڑ کر بلند آواز سے کہا ''یہ اچھوت ہے اور میرے سامنے جھاڑو دے رہا تھا۔ اس نے مسجد کو خراب کردیا۔''

حلال خور نے کہا ''میں مسلمان ہوں''۔

مسلمانوں نے اس سے کچھ نہ کہا بلکہ سندر کماری کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تو کون ہے جو اِس شخص کو روکتی ہے؟ وہ حلال خور ضرور ہے مگر ہمارا بھائی اور خدا کا پرستار ہے۔ وہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔ اِس میں کسی قسم کا حرج نہیں کیونکہ اسلام ایک پاک اور فطری مذہب ہے۔ اس میں جو شخص داخل ہوتا ہے وہ بھی پاک ہوجاتا ہے۔

سندر کماری کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے دل میں سوچا کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ اچھوتوں کو برا نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اس نے جرأت کی اور ایک سفید پوش بزرگ کے پاس گئی جو امام تھے۔ وہ بولی:۔

''مسجد کے پجاری! مجھے اپنا دیوتا تو دکھاؤ جو سب آدمیوں کو برابر سمجھتا ہے اور کسی سے نفرت نہیں کرتا۔''

اُنہوں نے کہا ''اس مسجد کے دیوتا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ ہر شخص کے دل میں ہے، صرف عبادت سے نظر آتا ہے، وہ ہر چیز کا مالک ہے دنیا کی کوئی چیز اس کے قبضہ سے باہر نہیں ہے، وہ ایک ہے نہ اس جیسا کوئی ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ تو کون ہے جو خدا کو دیکھنا چاہتی ہے''۔

سندر کماری: بزرگ انسان! کیا تم اِسے پوجتے ہو جسے تم نے کبھی دیکھا نہیں؟''

امام صاحب: ''ہاں وہی ایک پرستش کے قابل ہے، جس کا ہر چیز پر قابو ہے اور وہ اپنے وجود کیلئے کسی کے دیکھنے کا محتاج نہیں۔''

سندرکماری: ''کیا وہ میرے دل کو گناہ سے پاک کردے گا''۔

امام صاحب: ''اِس میں سب طاقت ہے''۔

جس طرح کوئی تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجاتا ہے اور یکایک روشنی کو دیکھ کر اس کی نگاہیں خیرہ ہوجاتی ہیں اسی طرح راجکماری نے اس مقدس انسان کی پاک نظروں میں کچھ دیکھا اور حیران رہ گئی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے کہا ''مجھے اپنے پاس رکھو اور اپنے خدا کی باتیں مجھے بتاؤ۔ مجھے تمہاری باتوں سے بہت اطمینان حاصل ہورہا ہے۔''

امام صاحب نے اِس سے کہا ''تو اپنے عزیزوں سے اجازت لے لے اگر وہ اجازت دیں تو یہاں آکر مجھ سے پوچھ لیا کر۔ میں کسی اجنبی عورت کو بلا اجازت اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔''

سندرکماری نے کہا ''مجھ بدنصیب کا یہاں کوئی نہیں ہے۔ مجھے آپ کے چہرے میں تقدس کی چمک معلوم ہوتی ہے۔ جوں جوں میں اس پر نظر ڈالتی ہوں مجھے یقین ہورہا ہے کہ آپ میں کوئی روحانی کشش ہے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح رکھو گے اور میرے شکوک رفع کرکے مجھے اطمینان ونجات کا راستہ دکھاؤ گے''۔

سندرکماری اب امام صاحب کے ہاں رہنے لگی۔ وہاں اس کے ساتھ عزیزوں کا سا برتاؤ ہوا۔ امام صاحب کی بہو بیٹیاں اسے بہن کہتی تھیں اور وہ یہ محسوس کرتی تھی کہ وہ ایک نئی دنیا میں آگئی ہے۔ آہستہ آہستہ اس نے توحید کا سبق سیکھا اور اس کے بعد اسلام کی مساوات اور مسلمانوں کے اخلاق کی گرویدہ ہوگئی۔ بالآخر اس نے ایک دن قبول اسلام کی تمنا کی اور اپنی خوشی سے خدائے واحد کی پرستار ہوگئی۔ اس نے یہ اصول بھی معلوم کیا کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ وہ کسی مرد یا عورت کو فطرت کے خلاف نبرد آزمائی پر مجبور نہیں کرتا۔ چنانچہ جب ایک دن امام صاحب کی بیوی نے بلا کر اسے نکاح کی تلقین کی تو وہ ان کے الفاظ سن کر حیرت میں رہ گئی۔ اس نے کہا:۔

''ہمارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نکاح میری سنت ہے جو میری سنت سے منہ پھیرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

سندرکماری کو سادھو کے الفاظ یاد آئے کہ ''فطرت کے خلاف جنگ ناممکن ہے!'' اور وہ عمیق خیالات میں کھوگئی۔

جب راجہ دیانگر کو بیٹی کی خبر ملی تو وہ خود بنارس آئے اور انہوں نے بیٹی کو تلاش کیا، اِس وقت تک وہ مسلمان ہوچکی تھی۔ راجہ صاحب پر اس کا گہرا اثر ہوا، لیکن شفقت پدری غالب آئی اور وہ اس سے محبت سے ملے۔ سندرکماری نے انہیں اس معقول طریقہ پر تمام باتیں سمجھائیں اور اس

طرح اپنی آپ بیتی سنائی کہ وہ بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ سندر کماری جو اب حسینہ بیگم ہے۔ اسلامی شریعت کے مطابق اپنے باپ کی جائیداد کی مالک ہوئی اور اس کا عقد باپ کی مرضی کے موافق ایک سید زادہ بیرسٹر سے کیا گیا۔ شادی کے موقع پر رابعہ صاحب نے بہت سا روپیہ اسلامی تحریکات خصوصاً تبلیغ کی امداد کیلئے دیا اور کچھ جائیداد اس لئے وقف کر دی کہ حضرت شہنشاہ عالمگیرؒ کی روح کو ثواب پہنچانے کا اہتمام کیا جائے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ بنارس کی عالمگیری مسجد میں نومسلموں کی تعلیم و تربیت کیلئے ایک مدرسہ کھولا جائے۔ نیز نومسلم عورتوں کیلئے ایک آشرم بنایا جائے جس کی نگرانی حسینہ بیگم (سابق سندر کماری) کریں گی۔ اُنہوں نے اپنے مختصر حالات زندگی بھی لکھے ہیں جس ایک جگہ پر اورنگ زیب عالمگیر کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔

''اے بادشاہ غازی! تیری روح پر ہزاروں برکتیں نازل ہوں کہ تو نے عین مرکز ہنود میں ایک مندر سے بت نکالے اور اسے خدائے واحد کی عبادت گاہ میں تبدیل کیا تا کہ ان انسانوں کا مطمحِ نظر مادیت سے روحانیت کی طرف متوجہ ہو! لوگ تجھے بُت شکن کہتے ہیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ تو نے انسان کو پتھروں کی سطح سے نکال کر توحید کے ملاءِ اعلیٰ تک پہنچایا ہے۔ ان میں سمجھ ہوتی اور ان کے قلوب تعصب کے اندھیرے سے پاک ہوتے تو تیری بت شکنی میں خدا کا جلوہ دیکھتے اور مجبور و بے حس پتھروں کی پرستش کی دلدل سے نکل کر اپنے مالک و آقا اور قادر و توانا خدا کو پہچانتے۔ خدا جانے تیری اِس مسجد نے کتنی تاریک روحوں کو روشن کیا ہے۔ کتنے تشنگانِ توحید کو سیراب کیا اور کتنے توہمات و گمراہی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزاد کرایا ہے۔ خدا تیری روح پر فتوح پر ہزاروں برکتیں نازل فرمائے کہ تیری یہ مسجد ہی میرے خاندان کی نجات کا باعث ہوئی اور اِسی چراغ سے میرے دل کی کوٹھڑی میں اُجالا ہوا۔ میرے خاندان اور آئندہ نسلوں پر تو نے اس قدر احسان کیا ہے جسے کوئی سمجھدار و منصف مزاج فراموش نہیں کر سکتا۔ میں اپنی یہ نصیحت قلم بند کرتا ہوں کہ ہندوستان اس وقت تک سچی آزادی حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ غلامی کی تمام بیڑیوں کو کاٹ کر اس خدائے واحد کی غلامی میں داخل نہ ہو، ج کے نام پر اے بادشاہ غازی تو نے ہندوستان کیلئے سب سے قدیم بت کدہ میں توحید کا یہ نشان قائم کیا ہے اور قول سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے بتایا ہے کہ مٹی کی مورتی ہو یا پتھر کے بت، سونے کے دیوتا ہوں یا پیتل کے دیوتا، ایک خدا کے سامنے سب لاچار و مجبور اور ہیچ ہیں۔ بس پرستش کے قابل اور بھگتی اور پوجا کے لائق صرف وہی ایک اللہ ہے۔

اسلام میں گروہ بندی

(نادیہ طالب توحیدی)

پروفیسر غازی احمد ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اور انکی یہ خوش قسمتی تھی کہ نبی پاک ﷺ نے انہیں خواب میں اسلام پر بیعت فرمایا۔ مسلمانوں میں موجودہ گروہ بندی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

کیا ہم شدومد سے اِس امر کا دعویٰ نہیں کرتے کہ ہمارا خدا ایک ہے، ہمارا رسول ایک ہے، ہمارا قرآن ایک ہے اور ہمارا کعبہ ایک ہے، کیا اِن وحدتوں اور اکائیوں کا منطقی نتیجہ یہ نہیں کہ ان وحدتوں کو تسلیم کرنے والے مسلمان بھی ایک ہوں۔ لیکن افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ یہ اکائی اور وحدت منتشر اور پریشان اجزا کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ حالانکہ ہمارے دین کی بنیاد ان ارکان خمسہ پر استوار کی گئی ہے جن میں امن وسکون، وحدت و یگانگت اور اخوت و اتحاد کا سبق مضمر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تیرہ سالہ مکی زندگی میں ذہنی اور نظریاتی وحدت پیدا کرنے کیلئے رُکن اول یعنی کلمہ طیبہ کی تبلیغ میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ کیونکہ اصلاحی تحریک اسی صورت میں عروس کامیابی سے ہمکنار ہوسکتی ہے جبکہ اسکے پیروکاروں اور ہمسفروں میں ذہنی اور نظریاتی اتحاد پیدا کر دیا جائے یہ مقدس نظریہ **لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** کا نظریہ تھا جس نے مکی زندگی کے پرآشوب دور میں صحابہ کرام کو جسد واحد کی طرح بنا دیا اور جن کی سوچ کے دھارے ایک ہی سمت میں بہنے لگے۔

نظریاتی وحدت کے بعد مدنی زندگی میں عملی وحدت کی طرف توجہ مرکوز کی گئی اس وحدت کا دلکش منظر نماز کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ تمام مسلمان دن رات میں پانچ مرتبہ محلے کی مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ ہفتے میں ایک بار شہر کی جامع مسجد میں جمع ہونے کا حکم ہے۔ سال میں دو مرتبہ مسلمانوں کو عیدین کی نماز کیلئے یک جا ہونے کی دعوت دی گئی۔ تاکہ وحدت و یگانگت کی باران رحمت سے پورا علاقہ فیضیاب ہو سکے۔ صاحب استطاعت لوگوں پر عمر بھر میں ایک مرتبہ حج لازم قرار دیا گیا تاکہ وحدت کا جو سبق محلے، شہر اور علاقے میں حاصل کیا گیا۔ اِس سے تمام دنیا کو مستفیض کیا جائے۔ ایک سا لباس رنگ و نسل، زبان و وطن کی یگانگت کو ختم کر دیتا ہے۔

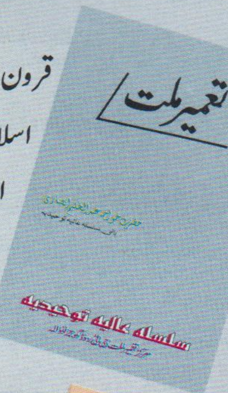
اِس وحدت میں جو اسباب رخنہ انداز ہو سکتے تھے زکوٰۃ اور روزے فرض کر کے ان کا ازالہ کر دیا گیا۔ تا کہ امراء کے دل میں غریبوں کی بے بسی، بے کسی اور بھوک پیاس کا سچا احساس پیدا ہو۔ سبحان اللہ! اتحاد و اتفاق، اخوت و مساوات، محبت و موانست اور وحدت و یگانگت کا کیسا عمدہ سبق اسلام نے سکھایا۔

مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے اِس سبق کو طاق نسیان پر رکھ دیا۔ ہم نے اِسلامی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ حتیٰ کہ آج ہمارے عقائد جدا، ہماری مسجدیں علیحدہ، ہماری نمازیں الگ، ہماری اذانیں مختلف اور ہمارے نظریات کے دھارے مختلف سمتوں میں بہنے لگے۔ ہم میں سے کچھ حضرات نے دیو بندی مسلک اپنایا، بعض نے بریلوی، اہلحدیث اور تشیع کو اپنایا۔ صحابہ کرام میں اس نام کے فرقے موجود تھے۔ کیا قرآن کریم کی کسی آیت میں اس تفرق و تشتت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ کیا ہماری یہ گروہ بندیاں اسلامی وحدت کے اُجلے دامن پر بدنما اور مکروہ داغ کی حیثیت نہیں رکھتیں۔

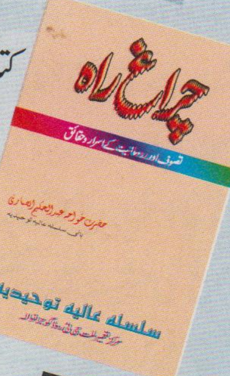
فرض کیجئے ایک عیسائی معتقدات کا حامل شخص قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام کی حقانیت کا قائل ہو جاتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کسی عالم دین کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو جاؤں۔ آپ اسے کس فرقے میں شمولیت کی دعوت دیں گے۔ کیا ایک سمجھدار عیسائی جواب میں یہ بات نہیں کہے گا کہ میں ایسے اسلام سے باز آیا جو اپنے ماننے والوں کو بھی ایک وحدت میں منسلک نہیں رکھ سکتا۔

میرے ایک دوست پاکستانی فوج میں میجر تھے۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ ہم آزاد کشمیر کے محاذ پر اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں مقیم تھے۔ گاہے بگاہے انڈین آرمی کے آفیسرز سے ملاقات ہو جاتی۔ ایک دن ایک عیسائی انڈین میجر نے ہمیں اپنے کیمپ میں چائے پر مدعو کیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی میز پر ”مثنوی مولانا روم“ پڑی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کتاب آپ نے کس غرض سے رکھی ہوئی ہے۔ اِس نے کہا مثنوی کے مطالعے نے مجھے اسلام کے بہت قریب کر دیا ہے۔ میں نے کہا آپ کو اسلام کی کون سے بات پسند آئی ہے؟ میجر صاحب نے فرمایا! ”سوائے مسلمان کے مجھے اسلام کی ہر چیز پسند ہے۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

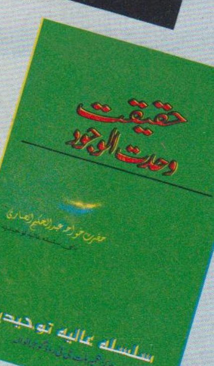
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net